اللہ موجود نہیں؟

تالیف: مولانا امیر حمزہ

اللہ
موجود نہیں
تالیف
امیر حمزہ
دارالاندلس

آئینہ کتاب
بُلھے شاہ
کے اشعار و افکار
نصرت فتح علی
اور قوالیاں
فارسی قرآن
اور مولانا روم
عقیدہ
وحدۃ الوجود

اللہ موجود نہیں......؟

بلھے شاہ کے اشعار وافکار

نصرت فتح علی خاں اور اس کے ہم نواؤں کی قوالیاں

مولانا روم کا دربار اور فارسی قرآن

عقیدہ وحدۃ الوجود

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے ؛ صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ
وحدۃ الشہود
تناسخ
عین الاعیان
وحدۃ الوجود
حلول
تفویض
اتحاد
فناء
شجرۃ الشرک

مسنون خطبہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ

”بلاشبہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ ہم اسی کی تعریف کرتے، اسی سے مدد مانگتے اور اسی سے بخشش طلب کرتے ہیں۔ اپنے نفس کی شرارتوں اور اپنے برے اعمال سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ راہ دکھائے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ دھتکار دے اسے کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے، وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

”حمد وصلوۃ کے بعد! یقیناً تمام باتوں سے بہتر بات اللہ کی کتاب اور تمام طریقوں سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا ہے اور تمام امور میں سے برے کام (دین میں) خود ساختہ (بدعت والے) کام ہیں، ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ○ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ط

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۞ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۙ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۞

"اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں اس حال میں موت آئے کہ تم مسلمان ہو۔ لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، (پھر) اس سے اس کی بیوی کو بنایا اور (پھر) ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں اور انہیں (زمین پر) پھیلا دیا۔ اللہ سے ڈرتے رہو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قطع رحمی سے (بچو)۔ یقیناً اللہ تم پر نگران ہے۔ اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرو اور سیدھی (سچی اور کھری) بات کہو۔ اللہ تمہارے اعمال سنوار دے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، یقیناً اس نے عظیم کامیابی حاصل کر لی۔"

① ((مسلم' الجمعة' باب تخفيف الصلوة و الخطبة' حديث ٨٦٨ و ٨٦٧۔ والنسائي' ٣٢٧٨))

② ((رواه الاربعة واحمد والدارمي و روى البغوي في شرح السنة مشكوة مع تعليقات الالباني' النكاح' باب اعلان النكاح...... وقال الالباني حديث صحيح۔))

تنبیہات:

- صحیح مسلم، سنن نسائی اور مسند احمد میں ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی حدیث میں خطبہ کا آغاز ((ان الحمدلله)) سے ہے لہذا ((الحمدلله)) کی بجائے ((ان الحمدلله)) کہنا چاہیے۔
- یہاں ((نومن به ونتوكل عليه)) کے الفاظ صحیح احادیث میں موجود نہیں ہیں۔
- یہ خطبہ نکاح، جمعہ اور عام وعظ و ارشاد یا درس و تدریس کے موقع پر پڑھا جاتا ہے۔ اسی خطبہ حاجت کہتے ہیں اسے پڑھ کر آدمی اپنی حاجت و ضرورت بیان کرے۔

عرض ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى اَشْرَفِ الْاَنْبِيَاءِ وَ الْمُرْسَلِيْنَ. اَمَّا بَعْدُ !

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے ایمان والو! بہت سے عالم اور صوفی درویش لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور (ان کو) اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔'' (التوبہ)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''یقیناً تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طور طریقے اپنا لوگے بالشت برابر بالشت کے، ہاتھ برابر ہاتھ کے ہو جاؤ گے حتی کہ اگر وہ سوسمار (گوہ) کے بل میں گھسے تو تم بھی ان کے پیچھے جاؤ گے۔'' (صحیح بخاری)

زیر نظر کتاب ''اللہ موجود نہیں ؟'' محترم مولانا امیر حمزہ حفظہ اللہ کی تالیف لطیف ہے۔ اس میں صوفیاء اور قوالوں کے بدترین عقائد پر انہوں نے کتاب و سنت کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں تصوف نے نہایت بدترین اثرات مرتب کیے ہیں ''وحدۃ الوجود'' کا عقیدہ اس قدر پھیلا کہ عوام تو عوام خواص بھی اس میں مبتلا ہوئے اچھے پڑھے لکھے لوگوں سے بات کرو تو بے دھڑک کہتے ہیں کہ ہر چیز میں اللہ ہے۔ ہر چیز اللہ کا

مظہر ہے وغیرہ وغیرہ۔

حالانکہ اللہ کی شریعت اس باطل نظریے کا قطعی انکار کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق و مالک تو ہے لیکن ہر چیز کے اندر حلول کیے ہوئے نہیں ہے۔ یہ عقیدے کا ایسا بگاڑ ہے کہ جس نے مسلمانوں کے ایک بہت بڑے طبقے کو جہنم زار بنا دیا ہمارے معاشرے میں آج بلھے شاہ، مولانا رومی، نصرت فتح علی خان وغیرہ کے اشعار اور قوالیاں زبان زد عام ہیں، اس کتاب کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ کس قدر اللہ کی دشمنی اور یہود و ہنود کے نظریات بد ان کے اندر موجود ہیں۔

''اللہ موجود نہیں ؟'' کو شروع سے آخر تک جو شخص پڑھے گا وہ بخوبی اس معاملے سے اگاہ ہوگا۔ بہت سے وہ لوگ جنہوں نے دین کا لبادہ اوڑھا ہے وہ راہزن نظر آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین!

دارالاندلس نے اس کتاب کو شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ خود بھی پڑھیں اور دوست احباب کو تحفہ بھی دیں۔ ہوسکتا ہے۔ کہ آپ کی کوشش سے کوئی صراط مستقیم کا راہی بن جائے اور ہماری نجات کا ذریعہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد سیف اللہ خالد

مدیر ''دار الاندلس''

۸ محرم ۱٤۲٦ھ

رومی، امریکہ میں!!

''اللہ موجود نہیں؟''...... یہ ہے عنوان ہماری اس کتاب کا کہ جو اس وقت اے قارئین کرام! آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس نام میں تعجب کا اظہار ہے اور سوالیہ انداز بھی ہے کہ وہ صوفیا کرام جنہیں لوگ ''اللہ والے'' کہتے ہیں، وہ حقیقت میں ''وحدۃ الوجود'' نامی ایسے عقیدے کے حامل ہیں کہ جس کا مطلب یہی بنتا ہے کہ ''اللہ موجود نہیں؟'' اب ہم نے تعجب کرتے ہوئے ایسے عقیدہ کے حاملین سے...... یہ سوال کیا ہے کہ ''اللہ موجود نہیں؟''...... کس قدر مقام حیرت ہے کہ اے اللہ کے بندو! تم اللہ والے بھی کہلاؤ اور ایسے عقیدے کے علمبردار بھی بنو کہ جو اللہ کی نفی کرے، اللہ کی گستاخی کرے اور مولا کریم کی توہین کرے!!

یہ کتاب چار عنوانات پر مشتمل ہے پہلا عنوان معروف صوفی ''بلھے شاہ'' سے متعلق ہے۔ دوسرا عنوان معروف و مشہور قوال نصرت فتح علی خاں اور دیگر قوالوں سے متعلق ہے۔ تیسرا عنوان عالمی شہرت کے حامل صوفی جناب جلال الدین رومی سے متعلق ہے۔

ان عنوانات میں سے دو عنوانات کا تعلق صوفی شعرا سے ہے اور کتاب میں ان کے اشعار لاکر ثابت کیا گیا ہے کہ وہ ''وحدۃ الوجود'' کے علمبردار تھے۔ اسی طرح تیسرا عنوان جو قوّالوں سے متعلق ہے اس میں بھی اشعار ہی پیش کیے گئے ہیں جو مختلف صوفی شعرا کے ہیں اور گائے گئے ہیں قوّالوں کی زبان سے۔

آخری اور چوتھا مضمون ''وحدۃ الوجود'' کے عقیدے اور نظریے سے متعلق ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ یہ نظریہ کیا ہے؟ کیا گل کھلاتا ہے اور کتاب وسنت کی تعلیمات کے کس قدر

خلاف ہے؟؟

''وحدۃ الوجود'' کی صوفیانہ تعلیم عالمی سطح پر کس قدر عام ہو رہی ہے؟ اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ ۶ ستمبر ۱۹۹۸ء کے انگریزی روز نامہ ''ڈان'' نے ایک مضمون شائع کیا جس کا عنوان ہے:

"Rumi : A Bestseller in America"

''رومی، امریکہ میں سب سے زیادہ فروخت ہونے والا ہے۔''

پھر مضمون نگار شمیم ڈلازی لکھتا ہے:

''سان فرانسسکو کے ہار پرنے تین سالوں میں جلال الدین رومی کی صوفیانہ شاعری پر مشتمل کتاب ایک لاکھ دس ہزار کی تعداد میں فروخت کی۔''

قارئین کرام! کس قدر افسوس کی بات ہے کہ امریکہ اور یورپ کو کتاب وسنت پر مشتمل اصل اسلام سے آگاہ کرنے کی بجائے ان نظریات کو اسلام کے نام سے پیش کیا جا رہا ہے کہ جن کا نہ صرف یہ کہ اسلام سے تعلق نہیں ہے بلکہ وہ نظریات اسلام کی ضد ہیں۔ غرض ایک سازش کے تحت نصرت فتح علی خان کو بھی اسلام کا مبلغ بنا کر یورپ میں پیش کیا گیا۔ چنانچہ ہم نے اسلام کے خلاف اس سازش کو بھانپتے ہوئے ایک پاکستانی صوفی کے کلام کا انتخاب کیا۔ دوسرے عالمی سطح کے انتہائی بزرگ صوفی کے کلام کو منتخب کیا۔ اور تیسرے اس صوفی قوّال کا انتخاب کیا جو حال ہی میں فوت ہوا اور دنیا بھر میں معروف ہوا۔

بحمداللہ! اللہ تعالیٰ نے توحید کی جو غیرت عطا فرمائی ہے اس غیرت کے تحت میں نے فوراً اسلام کے دفاع کے لیے قلم تھام لیا، خاموش نہ رہ سکا۔ اللہ کی توفیق کے ساتھ مجھے اپنی اس عادت پر بے پناہ مسرّت ہے اور کیوں نہ ہو کہ میری یہ عادت اور فطرت وجبلّت اللہ کے رسول ﷺ کی پیاری جہادی زندگی کے ایک واقعہ کے مطابق ہے۔

صحیح بخاری، کتاب الجہاد میں ہے کہ احد کے مقام پر جب مسلمانوں کو شکست کا سامنا

کرنا پڑا اور احد کے دامن میں ایک غار نما خفیہ جگہ پر اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے بعض صحابہ کے ساتھ پناہ لی تو ابوسفیان نے پکار کر کہا:

اَفِی الْقَوْمِ مُحَمَّدٌ ؟

''کیا لوگوں میں محمد ﷺ ہیں؟''

اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کو جواب دینے سے منع کر دیا۔ چنانچہ ابوسفیان نے تین مرتبہ یہ جملہ کہا اور کوئی جواب نہ آیا تو اس پر وہ بڑا خوش ہوا اور کہنے لگا:

اَفِیْ الْقَوْمِ ابْنُ اَبِیْ قُحَافَةَ؟

''کیا لوگوں میں ابوبکر ہے؟''

یہ جملہ بھی اس نے تین مرتبہ بولا، مگر کوئی جواب اسے نہ ملا۔ اس کے بعد وہ بولا:

اَفِی الْقَوْمِ ابْنُ الْخَطَّابِ؟

''کیا لوگوں میں عمرؓ ہے؟''

یہ جملہ بھی اس نے تین مرتبہ کہا مگر کوئی جواب نہ ملا۔ چنانچہ وہ اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا:

اَمَّا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ قُتِلُوْا

''جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے تو یہ سب قتل کر دیے گئے ہیں''

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے اور فوراً بولے:

كَذَبْتَ وَ اللّٰهِ يَا عَدُوَّ اللّٰهِ

''اے اللہ کے دشمن! اللہ کی قسم! تو نے جھوٹ بولا ہے۔''

اِنَّ الَّذِيْنَ عَدَدْتَ لَاَحْيَآءٌ كُلُّهُمْ

''جن لوگوں کو تو نے شمار کیا، وہ سب زندہ ہیں۔''

اس پر ابوسفیان نعرے لگانے لگا:

أُعْلُ هُبَلُ، أُعْلُ هُبَلُ

''ہبل بت کی جے ''ہبل'' بلند رہے''(یعنی ہبل زندہ آباد)

اس پر نبی ﷺ نے فرمایا:

أَلَا تُجِيبُوْنَهُ ؟

''تم اسے جواب کیوں نہیں دیتے؟''

اس پر صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہم کیا جواب دیں؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا، تم کہو:

أَللّٰهُ أَعْلٰى وَ أَجَلُّ

''اللہ بالا و برتر اور پر جلال ہے۔''

قارئین کرام! غور فرمایئے! اللہ کے رسول ﷺ کو نہ اپنی ذات کی پروا، نہ اپنے یار ابو بکر کی، نہ اپنی مراد عمر فاروق کی پروا۔ لیکن جب ابوسفیان نے اللہ کی توحید کو چیلنج کیا۔ بتوں کی جے کا نعرہ لگایا...... تو اللہ کے رسول ﷺ فوراً بولے کہ اسے جواب کیوں نہیں دیتے؟...... اللہ کی بلندی اور جلال کا تذکرہ کر کے اپنے اللہ کی عظمت کا نعرہ بلند کر کے جواب دو۔ یہ تھا اللہ کے وقار کا خیال جس سے اللہ کے رسول ﷺ لحظہ بھر بھی خاموش نہ رہے۔

قارئین کرام! بحمد اللہ، خالص اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ ہم اس نظریے اور عقیدے کا جواب دے رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید کے منافی ہے۔

صحیح بخاری میں اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان ہمیشہ سامنے رہتا ہے کہ جب آپ ﷺ حضرت علی کو خیبر کے مقام پر یہود سے لڑنے کے لیے روانہ فرما رہے تھے تو یہ بھی نصیحت کر رہے تھے کہ:

''اے علی! اگر ایک بندہ تیرے ذریعہ راہ راست پر آ جاتا ہے تو یہ تیرے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔''

''سرخ اونٹ'' جو آج بھی عام اونٹ سے قیمتی ہے۔ اسے صحرائی جہاز کہا جاتا ہے۔ یہ اپنے وقت کا ہیلی کاپٹر اور مرسیڈیز گاڑی تھی۔ تو آیے! اللہ کے بندوں کو شرک کی دلدل سے نکال کر توحید کی پر بہار اور ٹھنڈی سڑک پر لائیں اور انہیں جنت کی طرف رواں دواں گاڑی میں سوار کر کے جنت کی سواریاں پانے کے حقدار بنائیں۔

امیر حمزہ

یکم نومبر ۱۹۹۸ء لاہور

بُلھے شاہ
کے اشعار و افکار

گل سمجھ لئی تے رولا کیہ۔ ایہہ رام، رحیم تے مولا کیہ

پنجاب کے معروف صوفی شاعر بابا بلھے شاہ نے کیا خوب فرمایا

"سچ کہواں تے بھانبڑ مچدا اے"

قارئین کرام! اب بات یہ ہے کہ یہ جملہ تو ہر فرقے کا حامل کہتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ چونکہ ہم سچ کہتے ہیں، لہٰذا ہماری سچی بات پر "بھانبڑ مچدا اے"

دیکھنا یہ ہے کہ سچ کو ڈھونڈنے اور پانے کا معیار کیا ہے؟ تو ایک مسلمان کے ہاں سچ اور حق اور جھوٹ اور باطل کے درمیان امتیاز اور فرق کرنے والی شے، رب کا قرآن ہے کہ جسے اللہ نے فرقان بھی کہا ہے اور جس عظیم شخصیت پر یہ فرقان عظیم نازل ہوا، اس احمد مصطفیٰ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ایک ایک جملہ بھی (حق و باطل کے درمیان) امتیاز کرنے والا ہے۔

قارئین کرام! دعویٰ تو ہم بھی یہی کرتے ہیں کہ پچھلے چند سالوں سے ہم نے جو فوت شدہ لوگوں کی قبروں اور گدیوں پر لکھنا شروع کیا ہے، اللہ کے فضل سے حق لکھا ہے اور اس پر کتاب وسنت کے دلائل موجود ہیں......مگر اس حق سے "بھانبڑ" مچا ہے۔ لوگوں نے اولیا کی گستاخی کے فتوے لگا کر ملک میں ہینڈ بل اور پمفلٹ شائع کیے ہیں، دھمکیاں اپنی جگہ پر ہیں، جبکہ عملی طور پر تیزاب پھینکنے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ گاڑی کو گولیوں سے چھلنی بھی کیا گیا ہے۔ یہ تو محض میرے مولا کا کرم تھا کہ اس بچانے والے نے بچایا اور خوب بچایا۔

ہمارا جرم صرف یہ ہے کہ ہم فقط اس دعوت کا کام کرتے ہیں کہ جس کی بنیاد کتاب

وسنت ہے۔ ہمارے پیارے اور محبوب پیغمبر ﷺ نے جب توحید کی دعوت دی ، بھانبڑ اس وقت بھی مچا تھا اور یہ کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور من دون اللہ کا انکار علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ کیا جائے۔ یہ کام جب بھی کیا جائے گا، بھانبڑ مچتے رہیں گے۔مگر یہ بھانبڑ توحید کی دعوت سے نہ آج تک اہل توحید کو روک سکے اور نہ آئندہ ہی روک سکیں گے۔ ان شاء اللہ

بابا بلھے شاہ کا مختصر تعارف:

بلھے شاہ کا اصل نام عبداللہ اور والد کا نام سخی محمد درویش ہے۔اس کے آباؤ واجداد ملکوال کے رہنے والے تھے۔ جہاں سے ترک وطن کر کے قصور کے نزدیک ایک گاؤں ''پانڈ دکی'' میں آ بسے۔ بلھے شاہ کی پیدائش اچ گیلانیاں 1680ء میں ہوئی۔ان کی یہ بدقسمتی ہی رہی کہ وہ بچپن میں واجبی سی ابتدائی تعلیم کے علاوہ مزید نہ پڑھ سکے۔جبکہ جوان ہوکر علم باطن کے چکروں میں الجھ گئے اور یوں دینی تعلیم سے محروم ہوگئے اور ایک صوفی شاہ عنایت کے مرید ہوگئے۔ پریم سنگھ بیدی نے 1896ء میں چھپنے والی کتاب ''کافی ہائے بلھے شاہ'' میں بلھے شاہ کو ان پڑھ قرار دیا ہے۔ بلھے شاہ اپنے سید ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں جیسا کہ اپنے ایک شعر میں کہتے ہیں!

بلھے نوں سمجھاون آئیاں بھیناں تے بھرجھائیاں
آل نبی، اولاد علی دی، بلھیا توں کیہ لیکاں لائیاں

بلھے شاہ کے مشاغل میں سب سے دل پسند مشغلہ ناچنا اور رقص کرنا تھا اور یوں وہ طریقت کی چھتری تلے رقص کر کے اپنے ناتمام عشق کی بھڑاس نکالتے تھے۔ ناچنے، گانے اور رقص وسرود کی بنا پر ان کی دوستی ناچنے گانے والے لوگوں سے خوب تھی۔ اس دور میں ایک طبلہ نواز فقیر بخش جو بابا دھنّا کے نام سے مشہور تھا، بھلے شاہ کا ہمنوا تھا۔جب بلھے شاہ

گھنگھرو باندھنے کے بعد چھن چھن رقصِ معرفت فرماتے تو یہ بابا دھنّا خوب طبلہ بجاتا۔ یوں دونوں اپنی اپنی جدو جہد میں مصروف رہتے اور طریقت کی سیڑھیاں چڑھتے جاتے۔ منزلیں طے کرتے جاتے۔

ان کے سلسلہ قادریہ شطاریہ میں یہ کام نہ صرف جائز تھے بلکہ معرفت کی منزلیں طے کرنے کا ذریعہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کاموں نے فلمی لوگوں کو ان کا عقیدت مند بنا دیا ہے، جس کی بنا پر ہر سال ان کے عرس (شادی) پر آ کر وہ خوب بابا کے چلن یعنی ''رقص ناچ گانے'' پر عمل کرتے ہیں۔ بابا کے عرس کہ جس کا معنی ہی شادی ہے، سے مجھے یاد آیا کہ بلھے شاہ کی تو ساری زندگی ہی شادی نہ ہوسکی اور نہ انہوں نے شادی کی۔ کیوں؟ کیا وجوہات تھیں؟ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن اہل طریقت کے ہاں سنت رسول ﷺ کے برعکس شادی نہ کرنا بھی ولایت کی ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ بہرحال بات ہورہی تھی بابا بلھے شاہ کی شادی کی تو حقیقی شادی سے تو وہ مرتے دم تک محروم ہی رہے جبکہ مرنے کے بعد اب ہر سال فلمی اداکار اور اداکارائیں ان کا عرس یعنی شادی کرتے ہیں۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ بابا بلھا کی اگرچہ شادی تو نہ ہوسکی لیکن وہ عورتوں میں عشق مجازی اور حسن کے ہمیشہ متلاشی رہے۔ اس لیے ان کے کلام میں عورت بن کر شعر کہنا۔ اپنے آپ کو عورت کے روپ میں ظاہر کرنا۔ جوان لڑکیوں کو مخاطب کرنا...... عام طور پر پایا جاتا ہے۔ جس کو عشق کا نام دیا جاتا ہے۔ بلھے شاہ کے کلام سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ شائد عشق مجازی کے ذریعہ عشق حقیقی تک رسائی کے لیے کسی دوشیزہ میں دلچسپی رکھتے تھے جو ان کے قرب و جوار میں موجود تھی اور چرخہ کاتا کرتی تھی۔ ان کے اشعار میں اس کے متعلق کافی اشعار پائے جاتے ہیں۔ ایک جگہ اس کو یوں مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

کر مان نہ حسن جوانی دا
پردیس نہ رہن سیلانی دا

سانوں آمل یار پیاریا:

بلھے شاہ کا دور وہ تھا جب انگریز برصغیر پر اپنی مکروہ چالوں اور سازشوں کے ذریعہ قبضہ کرتا ہوا آندھی کی طرح بڑھتا چلا آرہا تھا۔ مسلمان تھے کہ اپنی آزادی کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ مجاہدین جہاد کررہے تھے۔ لوگ مذہبی طبقے (علما، فقہا، مشائخ صوفیا اور گدی نشین حضرات) کی طرف کان لگائے ہوئے تھے کہ وہ جہاد کا حکم دیں تو ہم اپنی جان پر کھیل جائیں۔ مجاہدین جانوں کا نذرانہ پیش کررہے تھے۔ خون مسلم سے گلیاں بازار اور شہر سرخ تھے...... اس وقت جب انگریز کی لگائی آگ پنجاب تک آپہنچی۔ بچہ بچہ مضطرب و پریشان تھا...... بلھے شاہ...... چونکہ حسن وعشق اور محبوب پسند طبیعت کے مالک تھے...... اس لیے اس وقت وہ اپنے محبوب کی یاد میں مگن تھے اور دنیا ومافیہا سے بے خبر اس کو یوں پکار رہے تھے۔

سانوں آمل یار پیاریا
در کھلا حشر عذاب دا
برا حال ہویا پنجاب دا
وچ ہاویے دو زخ ساڑیا
سانوں آمل یار پیاریا

بلھے شاہ کے عقائد اور افکار کہ جو شریعت مطہرہ کے سراسر خلاف ہی نہ تھے بلکہ وہ ان کا مذاق بھی اڑاتے تھے، جس کی تفصیل آپ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے۔ یہ عقائد ونظریات جب بلھے شاہ کے دور کے لوگوں کے علم میں آئے تو وہ بلھے شاہ سے سخت نفرت کرنے لگے۔ حتیٰ کہ جب 1758ء میں بلھے شاہ نے وفات پائی تو علما نے ان کا جنازہ پڑھانے سے انکار کردیا اور عوام نے ان کا جنازہ نہ پڑھا حتیٰ کہ ان کی میت تین روز تک قصور کے قبرستان (جہاں دربار واقع ہے) میں بے یارومددگار نمونہ عبرت بنی پڑی رہی۔ تیسرے دن بلھے شاہ کے ایک ہم پیالہ وہم نوالہ پیر شاہ ہمدانی نے جو کسی کام کے سلسلہ میں شہر سے باہر گئے ہوئے

تھے، واپس آنے پر بلھے شاہ کا جنازہ پڑھوا کر ان کو اسی قبرستان میں دفن کر دیا جہاں آج بلھے شاہ کا مزار واقع ہے۔ شروع میں یہ مزار سادہ قبر کی صورت میں تھا اور پھر 1926ء میں یہاں کی ایک خاتون مراد بی بی نے اس کو پکا بنوایا۔ یہ مراد بی بی کون تھی؟ یہ بعد میں پتا چلا کہ وہ کوٹ مراد خان کی معروف طوائف اور رقاصہ تھی!! کیسی بدقسمتی ہے کہ زندگی میں جو یاری تھی تو وہ ناچنے گانے والوں سے تھی پھر مزار بنا تو وہ بھی رقاصہ کے ہاتھوں سے اور آج وہاں میلہ لگتا ہے تو اس میلے کو بھی رقاصائیں اور اداکارائیں ہی زینت بخشتی ہیں۔

تو قارئین کرام! آیئے! اب آپ کو بلھے شاہ کے دربار پہ لے چلوں کہ جہاں پیپلز پارٹی کے سابق وزیر مملکت سردار آصف احمد علی آپ کو اخبارت کے اشتہارات کے ذریعہ عرس پر خوش آمدید کہتے نظر آتے ہیں۔ اب میں آپ کو ان کا کلام سناؤں پھر آپ فیصلہ کر لینا کہ حق کہاں ہے اور کہاں سے ملتا ہے؟ رہی بات بھانبڑ مچنے کی تو وہ تو اس وقت بھی مچایا گیا جب اللہ کے خلیل امام الموحدین سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے بزرگوں کی پتھری مورتیوں کو توڑ کر ان کی بے بسی کو ثابت کیا تھا اور سب لوگوں پر حق واضح کر دیا تھا۔ یہ بھانبڑ آج بھی مچتا ہے، جب حق بات کہی جاتی ہے۔

شام تھیا تھیا:

قارئین کرام! اخبار میں جب میں نے بلھے شاہ کے عرس پر محکمہ اوقاف کی طرف سے ''شام تھیا تھیا'' منائے جانے کا اشتہار پڑھا تو فوراً ذہن میں آیا کہ یہ تو فلمی دنیا کی وہ مکروہ آواز ہے کہ جسے صنعت فحاشی کی ایک عورت نے گایا ہے اور فحاشی پھیلانے والی دوسری عورت پر اسے فلمایا گیا ہے۔ بسوں ویگنوں اور بازاروں میں ہمارے کانوں نے بھی یہ مکروہ آواز سنی ہے، جو اس طرح سے ہے ؎

''تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا''

تو کیا فلم کی طرح وہاں بھی ناچ ہوگا، گانا ہوگا، ڈانس ہوگا اور تھیا تھیا ہوگا؟......جی

ہاں! پتا چلا کہ یہ تو بول بابا بلھے شاہ کے ہیں، فلم والوں نے یہ راہنمائی بابا بلھے شاہ کے کلام سے حاصل کی ہے۔ تب میں نے "بلھے شاہ کہندے نیں" نامی کتاب یعنی بلھے شاہ کا کلام خرید لیا اور اب میں اسے پڑھتا جا رہا تھا اور بلھے شاہ کے دربار کی طرف بڑھتا جا رہا تھا اس کتاب کا ایک بند کچھ اس طرح سے ہے ؎

چھپ گیا وے سورج، باہر رہ گئی آ لالی
وے میں صدقے ہواں، دیویں مڑ جے دکھالی
پیرا! میں بھل گئیاں تیرے نال نہ گئیا
تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا

قارئین کرام! تھیا تھیا، رقص کا ایک انداز ہے کہ جس میں ایڑی زمین پر ماری جاتی ہے...... یہ انداز آج عرس کے موقع پر قصور میں پیش کیا جا رہا تھا۔ قصور کی بلدیہ کا گراؤنڈ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، دیواروں اور مکانوں پر لوگ ہی لوگ تھے۔ یہ سب "شام تھیا تھیا" دیکھنے آئے تھے۔ اسٹیج پر شا ربٹ نمودار ہوا۔ اس نے ایک معروف گلوکارہ کے گانے کا بند نسوانی انداز میں گایا، پھر فوراً اس گانے کا جواب مردانہ آواز میں گانے کے ساتھ دیا۔ ساتھ ساتھ تھیا تھیا یعنی رقص بھی جاری رہا۔ جگتیں ہوئیں۔ مختلف آوازیں نکالی گئیں۔ ان آوازوں میں کتے کی تین طرح کی آوازیں بھی شامل تھیں۔ کتا راہ گیر پر کیسے بھونکتا ہے؟ پھر راہ گیر اسے پتھر مارتا ہے تو پتھر کی چوٹ کھانے کے بعد وہ آواز کیسے نکالتا ہے؟ اور رات کے وقت وہ کیسے آسمان کی طرف منہ کر کے بھونکتا ہے؟ اسٹیج سے کتے کی مختلف آوازیں شام تھیا تھیا میں ایک انسان کی زبان سے، بابا بلھے شاہ کی یاد میں بلند ہو رہی تھیں۔

راتیں جاگن کتے:

میرے ہاتھ میں بابا جی کا کلام تھا۔ اب میں سن بھی رہا تھا اور یہ کلام یوں پڑھ بھی رہا تھا۔

راتیں جاگیں، کریں عبادت
راتیں جاگن کتے، تیتھوں اتے
بھونکن توں بند، مول نہ ہندے
جا روڑی تے ستے، تیتھوں اتے

اچھا تو اب سمجھ میں آیا کہ لوگ کیوں کہتے ہیں کہ میں تو فلاں دربار کا کتا ہوں۔ کوئی کہتا ہے: میں سگ (کتا) میراں ہوں اور کوئی کہتا ہے کہ میں مدینے کا کتا ہوں۔ بہر حال کتا مدینے کا ہو تو وہ بھی کتا ہی ہوتا ہے۔ وہ مدینے ہی کے ایک کتے کا بچہ تھا۔ اسے حضرت حسن یا حسین رضی اللہ عنہما گھر میں لے آئے۔ اب حضرت جبریل علیہ السلام وعدہ کے باوجود نہ آئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہوئے، بعد میں پتا چلا کہ گھر میں تو کتے کا بچہ تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا:

''(رحمت کے) فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا اور تصویر ہو۔''

اب ایسے ناپاک اور نجس جانور کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے کا چلن اہل دربار میں کیوں معروف ہے؟ یہ تو اصحاب طریقت ہی بتلا سکتے ہیں۔ ہم کہیں گے تو پھر شکایت ہوگی، فتویٰ لگے گا کہ جی یہ تو گستاخ ہیں، معرفت و اسرار کی باتوں کو یہ کیا جانیں؟

قارئین کرام! مذکورہ بالا اشعار ایک مومن کو ہلا کر رکھ دیتے ہیں کہ جن میں انتہائی بے باکی سے کتے کو ان لوگوں سے برتر بنا دیا گیا ہے کہ جو اللہ کے بندے اپنی راتیں اللہ کی محبت اور یاد میں نفل و نوافل میں رو رو کر گزارتے ہیں۔

قارئین کرام! تو بات ہو رہی تھی ''شام تھیا تھیا'' کی تو اب اسٹیج پر نمودار ہوتے ہیں سائیں ظہور۔ انہوں نے مختلف رنگوں کی ٹاکیوں والا ملنگانہ لباس پہنا ہوا تھا، سارنگی ان کے ہاتھ میں تھی، طبلے بجانے والے طبلے بجا رہے تھے اور یہ ناچتے ہوئے بلھے شاہ کا کلام پڑھ رہے تھے...... بلھے شاہ بھی یار کو منانے کیلیے ناچا کرتے تھے، ویسے ان کے کلام سے بھی یہی

ظاہر ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو!

بلھا! شوہ نے آندا مینوں عنایت دے بوہے
جس نے مینوں پوائے چولے ساوے تے سوہے
جاں میں ماری ہے اڈی، مل پیا ہے دھیا
تیرے عشق نچایا کرکے تھیا تھیا

یاد رہے! بابا عنایت شاہ، بلھے شاہ کا پیر ہے اور اس کا دربار فاطمہ جناح روڈ لاہور میں ہے۔ میں نے یہ دربار دیکھا تو یہ مسجد کے محراب کے سامنے، چھت کے بالکل وسط میں بنایا گیا ہے۔ بے ساختہ میری زبان پر اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان آ گیا۔

مومنوں کی ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حبشہ میں عیسائیوں کا گرجا دیکھا جس میں تصاویر بھی آویزاں تھیں، تو اس کا اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے اس کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان میں جب کوئی نیک آدمی مرجاتا تو یہ لوگ اس کی قبر کے پاس عبادت گاہ تعمیر کردیتے۔ پھر اس میں اس شخص کی تصاویر لٹکا دیتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ لوگ اللہ کے ہاں بدترین مخلوق ہیں۔'' (بخاری و مسلم)

چٹی چادر لاسٹ گُڑیئے:

قارئین کرام!......اب سٹیج پر شاہدہ پروین نمودار ہوئی۔ یہ گلوکارہ اپنی ماں زاہدہ پروین کی گلوکارہ بیٹی ہے۔ اس نے بلھے شاہ کا کلام یوں سنانا شروع کیا ۔

رانجھا رانجھا کردی ہن میں آپے رانجھا ہوئی
سدو مینوں ''دھیدو رانجھا'' ہیر نہ آکھو کوئی
چٹی چادر لا سُٹ گُڑیئے
پہن فقیراں لوئی

چٹی چادر داغ لگیسی
لوئی داغ نہ کوئی

قارئین کرام......غور فرمایا آپ نے، سفید چادر تو شریعت ہے، وہاں خلاف شرع کام کیا تو فوراً داغ لگے گا، مگر لوئی جو صوفیت کا نشان ہے، اس پہ جو مرضی لگتا رہے، اس داغ کا پتا نہیں چلتا۔ لہٰذا تصوف میں جو بھی کیا جائے اس کے بارے میں کہہ دیا جائے گا کہ جی یہ معرفت کی باتیں ہیں۔ ظاہر کچھ نظر آتا ہے مگر باطن میں اس کا مطلب کچھ اور ہے۔ لہٰذا اس پر مت بولو، ولی صاحب کی توہین ہو جائے گی۔ چنانچہ اس ''رانجھا رانجھا کردی'' پر لوگوں نے وہ طوفان بدتمیزی اٹھایا، وہ فحش جملے بولے گئے کہ اللہ کی پناہ......

اور اب منیر حسین کی باری آتی ہے۔ ''ہیر رانجھا'' فلم میں جو گانے گائے گئے ہیں وہ سب اسی کے گائے ہوئے ہیں۔ لہٰذا منیر حسین نے ہیر رانجھے کے عشق پر مبنی گانے سنا کر بلھے شاہ کی اس مجلس کے خانقاہی تقدس میں اور زیادہ اضافہ کر دیا۔

اور بابا بلھے شاہ نے بھی فرما دیا ہے ؎

رانجھا میں وچ، میں رانجھے وچ،
غیر خیال نہ کرو کوئی
میں نہیں اوہ آپ ہے، اپنی آپ کرے دلجوئی
رانجھا رانجھا کردی ہن میں آپے رانجھا ہوئی

بلھے شاہ کے دربار پر:

قارئین کرام! درباری چادر فضیلت کہ جسے بلھے شاہ نے لوئی کہا ہے، اس کے تقدس میں لپٹی ہوئی محفل تو ہم نے دیکھ لی، حضرت رانجھا اور محترمہ مائی ہیر صاحبہ کے مقدس تذکرے کا سماع بھی کر لیا۔ اب ہم دربار کی طرف چل دیے۔ وہاں بھی مجلس سماع کا سماں تھا یعنی قوالی جاری تھی۔

ٹھگوں کا ٹھگ کون ہے؟

جی ہاں بلھے شاہ کے دربار پر...... یہ ہے وہ قوال......اور یہ ہیں قوالیاں......اور یہ ہے سماع ...... اور محفل سماع کہ جس کا اور درباروں کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور طریقت کا یہ مضمون تب تلک مکمل نہیں ہو پاتا جب تک کہ شراب شباب کی حمایت میں شریعت کے ساتھ مذاق کا عنوان نہ بندھے۔ اسی لیے بلھے شاہ کہہ رہا ہے۔

بلھیا پی شراب تے کھا کباب
پر بال ہڈاں دی اگ
چوری کر، تے بھن گھر رب دا
ایس ٹھگاں دے ٹھگ نوں ٹھگ

اللہ کی پناہ......کہ شراب اور کباب کھانے کے بعد چوری اور پھر صاحب عرش عظیم کو اس قدر گالی کہ مولا کریم کو ''ٹھگوں کا ٹھگ'' کہے......اور یار لوگ ایسے شخص کو پھر ولی مانیں ...... اور جب ہم ان گستاخیوں پر تنبیہ کریں تو ہمیں گستاخ کہیں؟

اور پھر عزیز میاں قوال جو اس قول کے قائل بلھے شاہ کے دربار پر قوالی کہہ رہا تھا تو وہ یوں احتجاج کر رہا تھا جیسے آج کل نواز شریف صاحب احتجاج کر رہے ہیں، اس بات پر کہ انہیں بلا وجہ کرسی سے اتارا گیا۔ قائد حزب اختلاف بنایا اور احتجاجی تحریکوں میں الجھایا گیا۔

عرش الٰہی اور کھلونے :

عزیز میاں قوال کہتا ہے۔

میرا مقام عرش تھا
کتنی بلندیوں سے گرایا گیا
آسمان سے اتارا گیا ہوں

تمناؤں میں الجھایا گیا ہوں
اور کھلونوں سے بہلایا گیا ہوں

اللہ ذوالجلال والاکرام فرماتے ہیں:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی

''رحمٰن عرش پر جلوہ افروز ہے۔''

اور یہ قوال کہتا ہے کہ میں بھی وہیں تھا مگر مجھے اتار دیا گیا۔تو کیا مطلب کہ میں بھی رب تھا۔(نعوذ باللہ من ذالک)

یہ ہے قوالی اور سماع ......اور یہ سن کر لوگ نوٹ پھینک رہے تھے۔ڈی سی اور ایس پی مودب ہو کر بیٹھے تھے۔پھر انہیں عزیز میاں قوال کے سامنے کھڑا کیا گیا۔ان کے سروں پر سے نوٹوں کی بارش کی گئی اور پھر یہ پیسے قوال کو دیے گئے۔کیوں؟ اس لیے کہ وہ صاحب عرش عظیم مولا کریم سے احتجاج کر رہا تھا کہ مجھے عرش سے کیوں اتارا گیا؟

اللہ تعالیٰ بازی گر ہے؟

قارئین کرام! یہی بات بلھے شاہ انج کہندا اے ۔

''مولا آدمی بن آیا''

اور پھر اس کی وضاحت یوں کی ۔

بازی گر کیہ بازی کھیڈے مینوں پتلی وانگ نچایا
مولا آدمی بن آیا

ایک اور مقام پر بلھے شاہ اپنے گندے عقیدے وحدۃ الوجود کا کھل کر اظہار کرتے ہوئے یوں اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر رہا ہے ۔

آپے ظاہر آپے باطن
آپے لک لک بہندے او

ہر ہر وچ صورت رب دی اے
کتے ظاہر ہے کتے چھپدی اے
ڈھولا آدمی بن آیا
اوہ آیا جگ جگایا
ہابیل قابیل آدم جائے
آدم کس دا جایا؟

قارئین ان اشعار میں وہ ''ڈھولا'' اللہ تعالیٰ کو کہہ رہا ہے اور اس نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ ہر ہر چیز رب ہے۔ اور آخر پر تو کمال کر دی عیسائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضرت آدم علیہ السلام کو واضح اشارے سے اللہ کا جنا ہوا قرار دے ڈالا۔

اللہ سیاپے کرتا ہے!!!

بلھے شاہ مزید آگے بڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یوں توہین کرتا ہے۔

اربع عناصر محل بنائیو، وچہ وڑ بیٹھا آپے
آپے کڑیاں، آپے منگر، آپے بنیائیں ماپے
آپے مریں تے آپے جیویں، آپے کریں سیاپے
بلھیا! جو کجھ قدرت رب دی، آپے آپ نجاپے

قارئین کرام! دیکھیں بلھے شاہ کس قدر آگے بڑھ گئے کہ میرے سبوح، قدوس، ستار اور ذی شان غیور مولا کریم کو کہ جس کی صفت ہی ''لم یلد و لم یولد'' ہے......کو کس قدر بے باکی اور توہین آمیز اور گستاخانہ انداز میں للکار کر کہہ رہا ہے کہ تم نے خود ہی اربع عناصر (ہوا، مٹی، پانی اور آگ) بنائے اور خود ہی ان کے اندر بیٹھ گیا۔ جب کسی کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا ہے وہ بھی تو ہی ہوتا ہے!، جب لڑکی پیدا ہوتی ہے تو وہ بھی تو ہی ہوتا ہے اور ان کو جننے والا

بھی (ظاہری طور پر ماں باپ کی صورت میں) تو خود ہی ہوتا ہے یعنی جننے والا بھی تو خود اور جو جنا گیا وہ بھی خود ہی ہوتا ہے.....تو خود ہی زندہ ہوتا ہے اور خود ہی مرتا ہے اور پھر اپنے مرنے پہ خود ہی ''سیاپے'' کرتا ہے۔ (العیاذ باللہ)...... پھر آخر میں بلھا اپنی ان باتوں کے متعلق کہتا ہے کہ یہ وہ بھید ہے کہ جو کسی کی سمجھ میں اپنے آپ نہیں آ سکتا (کیونکہ شیطان لعین ہی ایسے خیالات ذہن میں ڈالتا ہے)

قارئین کرام! ذرا غور کریں کہ یہ کوئی گستاخی جیسی گستاخی ہے میرے مولا کریم کی۔ یہ کوئی توہین جیسی توہین ہے.......... یہ تو اس قدر کڑوی بات ہے کہ آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی اس سے بڑھ کر گستاخی اور توہین کیا ہو سکتی ہے کہ یہ صوفی وحدۃ الوجود ایسے گندے غلیظ، سڑاند زدہ اور بدبودار عقیدے کی چھتری تلے بیٹھ کر اس کا ارتکاب بھی کر رہے ہیں اور پھر محبّ رسول اور عارف باللہ کے القاب بھی پا رہے ہیں۔)

غور فرمایئے! عیسائیوں نے کہا تھا ''عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے'' تو اللہ نے سورۃ مریم میں فرمایا:

﴿ تَكَادُ السَّمٰوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ☆اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴾ (سورة مريم : ١٩)

''قریب ہے کہ سب آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں، زمین پھٹ جائے اور پہاڑ اس (جملے) سے کانپ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں کہ انہوں نے رحمان کے لیے اولاد کا دعویٰ کر دیا۔''

غور فرمایئے! انہوں نے تو ایک عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہا، صورت حال یہ ہے کہ یہاں ہر شخص کو رب کہا جا رہا ہے اور اس گستاخانہ عقیدے کا نام صوفیوں نے وحدۃ الوجود رکھا ہے۔یہی وجہ ہے کہ صوفیوں کے ہاں جس طرح ہر شے اللہ ہے، اسی طرح وحدت ادیان کی بھی اصطلاح ان کے ہاں چلتی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ سارے دین سچے ہیں! یہی وجہ

ہے کہ بلھے شاہ کہتا ہے۔

نہ میں مومن نہ میں کافر

دوسری جگہ یوں کہا ہے۔

ہندو نہیں نہ مسلمان

اور پھر یوں کہا۔

اماں بابے دی بلھیائی، اوہ ہن کم اساڈے آئی

اماں بابا چور دھراں دے پتر دی وڈیائی

غور کیجیے! اللہ کے پہلے پیغمبر اور پہلے انسان، اولاد آدم کے باپ اور ماں دونوں کو طنز کرتے ہوئے بلھا کہتا ہے کہ یہ انہی کی بھلائی ہے جو ہمارے کام آ رہی ہے، یعنی ہمیں انسان بننا پڑ گیا، دنیا میں آنا پڑ گیا۔ پھر انہیں (آدم علیہ السلام اور اماں حوا) کو چور کے گندے لفظ سے موسوم کیا (اللہ کی پناہ) اور آگے جا کر کہا۔

''کھائے خیراتے پھاٹئے جما''

یعنی چور کا کام انہوں نے کیا اور مصیبت ہمیں پڑ گئی......لہٰذا بلھے شاہ پھر یوں وجد میں آ کر مزید گاتا ہے۔

نہ میں بھیت مذہب دا پایا

نہ میں آدم و حوا جایا

یعنی وہ کہتا ہے کہ میں آدم و حوا کا جایا یعنی ان کی اولاد نہیں ہوں اور پھر خود ہی یوں کہتا ہے۔

بلھیا کیہ جاناں میں کون؟

نہ میں مومن وچ مسیتاں

نہ میں وچ کفر دیاں ریتاں

نہ میں پاکاں وچ پلیتاں

نہ میں موسیٰ نہ فرعون
بلھیا! کیہ جاناں میں کون؟

عشق دی نویوں نویں بہار:

پھر خانقاہی اور صوفیانہ عشق کی مستی میں بلھا یوں بولتا ہے۔

عشق دی نویوں نویں بہار
جان میں سبق عشق دا پڑھیا
مسجد کولوں جیوڑا ڈریا

آگے جا کر کہا۔

وید قرآن پڑھ پڑھ تھکے
سجدے کردیاں گھس گئے متھے

غور فرمایئے! وہ ہندوؤں کی وید اور قرآن کو ایک ہی پلڑے میں رکھ کر بے زاری کا اعلان کرتا ہے اور پھر دین کے شعار کا یوں مذاق اڑاتا ہے۔ ملاحظہ ہو صوفیانہ مذاق۔

پڑھ پڑھ نفل نماز گزاریں
اچیاں بانگاں چانگاں ماریں
منبر تے چڑھ وعظ پکاریں
کیتا تینوں علم خوار

قارئین کرام! قرآن کہتا ہے ''نماز پڑھو'' ..... مگر بلھے نے نماز پر طنز کرنے کے بعد اذان کو چانگاں کہہ دیا، حالانکہ یہ تو اللہ کے رسول ﷺ کے صحابی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا محبوب عمل تھا۔ غرض نماز کا حکم اور اذان کا اعلان اللہ اور اس کے آخری رسول ﷺ کا حکم ہے اور اس حکم کو جاننے کا نام علم ہے جو قرآن و حدیث میں ہے مگر بلھے شاہ کہتا ہے: ''اس علم نے تجھے خوار کردیا ہے۔'' لہٰذا

"علموں بس کریں او یار"

علما چونکہ ان صوفیوں کو الٹے سیدھے کاموں سے قرآنی آیات اور احادیث پڑھ پڑھ کر منع کرتے ہیں کہ دیکھیں اس کام سے اللہ اور اس کے پیارے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے لہٰذا تم لوگ بھی رک جاؤ......تو اس کے ردعمل میں ان صوفیوں کی طرف سے کیا جواب ملتا ہے؟ بلھے شاہ کی زبان میں سنیں کہتا ہے۔

پڑھ پڑھ شیخ مشائخ کہاویں
بے عقلاں نوں لٹ لٹ کھاویں
الٹے مسئلے گھروں بناویں
پٹھے سدھے کریں قرار

ایک جگہ علم کا رد اور عالم کی مذمت کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں۔

پڑھ پڑھ ملاں ہوئے قاضی
اللہ! علماں باجوں راضی
ہووے حرص دنوں دن تازی
تینوں کیتا حرص خوار

اور ایک جگہ علما کو جلاد، شکاری وغیرہ کی گالیاں دیتا ہوا کہتا ہے۔

کیوں ہویا ایں شکل جاداں دی ؟
کیوں پڑھنا ایں گڈ کتاباں دی؟
سر چانا ایں پنڈ عذاباں دی

جہاں تک اس کے خود ساختہ مذہب "طریقت" کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں بلھا کہتا ہے کہ یہ طریقت شرع (شریعت) کی ویری یعنی دشمن ہے۔اس دشمنی کا انداز ملاحظہ ہو۔

کرم شرع ہے دھرم بتاون
سنگل پاون پیری

ذات مذہب ایہہ عشق نہ پچھدا
عشق شرع دا ویری

قارئین کرام! خود ہی فیصلہ کیجیے! کہ جو مذہب شرع کا ویری ہے وہ شرع کہ جو اللہ نے اپنے آخری رسول ﷺ پر نازل فرمائی۔اس مذہب کا ایک مؤمن کو ویری یعنی دشمن ہونا چاہیے کہ نہیں......حقیقی معنوں میں جو محبّ رسول ہے اسے تو الٹا شرع کے دشمن کا ویری ہونا یا کچھ اور..........

''فیصلہ تیرے ہاتھوں میں ہے اے محبّ رسول کہلانے والے۔''

جائے نماز کو آگ لگا دے:

اور جب کوئی اس علم سے کنتا ہے، پھر اس کا حال کیا ہوتا ہے؟ بلھے شاہ ہی کی زبان سے سنیے۔

پھوک مصلے بھن سٹ لوٹا
نہ پھڑ تسبیح، عاصا، سوٹا
عاشق کہندے، دے دے ہوکا
ترک حلالوں ، کھا مردار
عشق دی نویوں نویں بہار

صوفیانہ عشق کی نئی نویلی بہار کہ جس میں حلال ترک ہو جاتا ہے اور مردار کھایا جاتا ہے۔ اس میں مولا کریم اور ہندوؤں کے دیوتا ''رام'' کے درمیان امتیاز بھی ختم ہو جاتا ہے۔بلھا کہتا ہے۔

گل سمجھ لئی تے رولا کیہ
ایہہ رام، رحیم تے مولا کیہ

اب جب مسلمانوں اور ہندوؤں کے معبود ہی میں کوئی فرق نہ رہا تو بلھے شاہ نے

ہندوؤں کو تو کچھ نہیں کہا، ہاں البتہ کلمہ توحید کہ جسے پڑھ کر انسان دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے، اس کے بارے میں اپنے منہ سے یوں موتی جھاڑے ہیں۔

بٹھ نمازاں، چکڑ روزے

کلمے پھر گئی سیاہی

بلھا شوہ اندروں ملیا

بھلی پھرے لوکائی

کلمے پر تو سیاہی پھیر دی، روزوں کو کیچڑ کہہ دیا اور نمازوں کے بارے میں......جی ہاں وہ نماز کہ جس کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ:

''نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔''

اگر یہ اللہ کے رسول ﷺ کے لیے جو ٹھنڈک ہے، بلھے شاہ ان نمازوں کو کہتا ہے کہ جائیں بٹھ میں یعنی بڑے تندور میں۔

قارئین کرام! کہنے والے اب بھی کہیں گے، لکھنے والے لکھیں گے کہ یہ جی معرفت کی باتیں ہیں، بلھے شاہ ولی تھے اور وہابی گستاخ ہیں، بلکہ بلھے شاہ نے اور ان جیسے ولیوں نے اسلام پھیلایا ہے اور برصغیر میں تو اسلام پھیلایا ہی صوفیا نے ہے۔ لہٰذا مجلّہ الدعوۃ گستاخ ہے، اس کا ایڈیٹر گستاخ ہے اور پھر پمفلٹ چھپتے ہیں:

''سنیو!......خبردار ہوشیار...............'' وغیرہ وغیرہ

جی ہاں...... بھانبڑ تو مچا اور یہ اس وقت بھی مچا تھا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قول حق کہا تھا...... قرآن کے آخری پارے میں ''سورۃ البروج'' پڑھ کر دیکھ لیجئے! یہ بھانبڑ اس وقت بھی مچا تھا جب لوگوں نے توحید کو قبول کیا تو بادشاہ نے خندقیں کھدوا کر بھانبڑ مچائے اور کافر اہل توحید کے جلنے کا نظارہ کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ انہوں نے ان موحدین سے فقط اس وجہ سے انتقام لیا کہ وہ صرف اللہ عزیز وحمید پر ایمان لائے تھے، وہ اللہ کہ جس

کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور ہر چیز اللہ کے سامنے ہے۔

اے میرے پیارے قارئین! صرف ایک چیز کا خیال کیجیے اور وہ آپ کا ایمان ہے وہ اللہ کا وقار ہے۔

یارو! ذرا غور تو کیجیے! یہ بول جو اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اس کے احکامات کے بارے میں بالواسطہ یا بلاواسطہ بولے گئے ہیں اور گستاخیوں سے اٹے پڑے ہیں اور انہیں عارفانہ کلام کہہ کر بات ختم کردی جاتی ہے۔ اگر ایسی باتیں آپ کی ذات کے بارے میں آپ کے گھرانے، خاندان کے بارے میں کہی جائیں، اور پھر کوئی انہیں عارفانہ سمجھتا پھرے، تو آپ کا رویہ اور ردعمل کیا ہوگا؟......لوگو! ذرا سوچو! کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی قدر بس اسی قدر ہمارے ذہنوں میں ہے کہ اس کا مذاق اڑتا پھرے۔

عارفانہ کلام کے نام پر!
ولایت کے نام پر!
تصوف کے نام پر!
طریقت کے نام پر!
معرفت کے نام پر!!

﴿ وَمَالَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴾ (نوح: ۱۳)

''اوہ......اللہ کے بندو! تمہیں اللہ کے وقار کا خیال کب آئے گا......؟''

آیئے! پہلی ہی فرصت میں غیرت کا مظاہرہ کیجیے...... اپنے ایمان کو غیرت کا زیور پہنایئے...... ساری کائنات سے بڑھ کر اللہ سے محبت کیجیے......ساری مخلوق سے بڑھ کر اس کے رسول ﷺ سے پیار کیجیے...... کتاب وسنت کو اپنا دستور بنالیجئے اور کسی کی پروا نہ کیجیے۔

ان دوہڑوں، لوک کہانیوں اور تصوف کی کتابوں کو جو شعر و نثر کی صورت میں...... آسمان

سے آئی ہوئی کتابوں اور قرآن وحدیث کا منہ چڑا رہی ہیں، انہیں بٹھ میں ڈالیے......دلدلی کیچڑ کی نذر کیجیے اور ان پر سیاہی پھیر یے۔

اے اللہ! آخر پر میں وہی دعا مانگتا ہوں جو تیری جناب پاک میں تیرے رسول ہاشمی ﷺ نے یوں مانگی:

''اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت کا سوال کرتا ہوں اور ان لوگوں کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو تجھ سے محبت کرتے ہیں اور اس عمل کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو مجھے تیری محبت کے قریب کردے۔''

اور اے میرے مولا! تجھ سے توفیق مانگتا ہوں کہ میری زبان اور میرا قلم......تیری محبت میں چلتا رہے۔

''بے شک میری نماز میری قربانی......میری زندگی اور میری موت (سب کچھ) اللہ ہی کے لیے ہے، جو تمام جہانوں کا رب ہے۔''

نصرت فتح علی
اور قوالیاں

نصرت فتح علی خاں

نصرت فتح علی خاں لندن کے کراموبل ہسپتال میں ۱۶ اگست ۱۹۹۷ء کو فوت ہو گئے...... یہ ایک فطری بات ہے کہ جو بھی فوت ہوتا ہے اس پر ترس تو آتا ہی ہے۔ چنانچہ مجھے بھی نصرت فتح علی خاں کی موت پہ ترس آیا۔اس لیے بھی دل میں ترحمانہ جذبات پیدا ہوئے کہ وہ گردوں کے مریض تھے۔دل کے بھی مریض تھے۔ بلڈ پریشر اور شوگر کے بھی مریض تھے۔یوں اتنی ڈھیر ساری بڑی بڑی امراض میں مبتلا انسان پہ ترس آنا قدرتی سی بات ہے......پھر جب سنا کہ نصرت فتح علی خاں بے پناہ جائداد کے مالک ہیں۔امریکہ میں انہوں نے پراپرٹی خرید رکھی تھی اور اب وہ وہاں رہائش پذیر ہونے والے تھے کہ"بلاوا" آ گیا......مگر وہ کوئی نرینہ وارث چھوڑ کر نہ مرے،صرف ایک دس بارہ سالہ بچی ندا چھوڑ کر فوت ہوئے اور ایک بیوہ...... بچے کی انہیں شدید خواہش تھی، اس کا وہ اظہار بھی کرتے تھے۔درباروں پہ قوالیاں گاتے تھے۔لاہور کے معروف دربار المعروف (داتا صاحب)پر بھی وہ ہر سال قوالی گاتے تھے۔اسی دربار پر ان کی گائی ہوئی ایک قوالی کے بولوں کا مطلب یہ ہے کہ:

"داتا کے در پہ جو بھی آتا ہے، داتا اسے خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔"

مگر ہر سال قوالی گانے والے کی جھولی اک نرینہ لخت جگر سے خالی ہی رہی۔ یہ سب کچھ معلوم کر کے اور اخبارات میں ملاحظہ کر کے مجھے نصرت فتح علی خاں پر ترس آیا۔

نصرت نے زندگی کے پچاس برس گزارے۔ان کے والد فتح علی خان بھی قوال

تھے۔انہیں ایوب خان نے انعام سے نوازا۔نصرت کی قوالی سن کر شاہ ایران رضا شاہ پہلوی نے نصرت کو منہ مانگا انعام دینے کا اعلان کیا اور پھر کار کا تحفہ نصرت کی نذر کیا۔نصرت نے جنرل ضیاء الحق سے بھی ایوارڈ لیا۔نصرت کو جاپان نے کئی ایوارڈ دیے، خاص طور پر دنیا کا سب سے بڑا ایوارڈ ''فوکر'' بھی دیا۔

عالم کفر میں نصرت کی مقبولیت اور ڈالر کی ریل پیل:

بدھ مت کے پیرو جاپانی لوگ ننگے پیروں نصرت کا عارفانہ کلام سنتے تھے۔بدھا کے بتوں کے پجاری، نصرت کو ولی خیال کرتے تھے۔جاپانیوں نے نصرت کو "God of music" کا خطاب دے رکھا تھا۔برطانیہ نے بھی کئی ایوارڈ دیے۔انگریز ان کے عارفانہ کلام پہ وجد میں آ کر ڈانس شروع کر دیتے تھے۔برطانوی میوزک پروڈیوسر پیٹر گبریل نے انہیں پورے یورپ میں متعارف کروایا تھا۔امریکی حکومت نے میوزک ماسٹر کا ایوارڈ دیا۔پھر ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی دی اور موسیقی کی تعلیم اپنے شاگردوں کو دینے کے لیے نصرت کی بطور پروفیسر خدمات بھی حاصل کیں۔فرانس نے بھی ایوارڈز سے نوازا۔اقوام متحدہ کے ادارے ''یونیسکو'' نے بھی ایوارڈ دیا۔بھارت نے کئی ایوارڈ دیئے۔دیگر ملکوں نے بھی دیئے اور ابھی یہ سلسلہ چلتا ہی جا رہا تھا اور صرف چلتا ہی نہیں بلکہ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔وہ اب چین اور روس بھی جانے کا پروگرام بنا رہے تھے۔دنیا کی مختلف فلمی کمپنیوں اور افراد کے ساتھ ان کے لاکھوں ڈالر اور لاکھوں پونڈز کے معاہدے ہو چکے تھے اور ہوتے چلے جا رہے تھے۔صورتحال یہ تھی کہ لوگ پیسے پکڑے ان کے پیچھے پیچھے تھے اور نصرت کے پاس وقت نہ تھا۔

وہ فوت ہوئے تو دنیا کے بڑے بڑے نشریاتی اداروں نے ان کی خبر مرگ کو زبردست کوریج دی۔بی بی سی لندن، وائس آف امریکہ، وائس آف جرمنی، بڑے بڑے بین الاقوامی اخبارات اور جرائد نے صفحہ اول پہ جگہ دی۔ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے تو یہاں کے

معروف اخبار جنگ نے اپنا پہلا صفحہ نصرت کے لیے خاص کردیا۔باقی اخبارات نے بھی خوب کوریج دی۔خصوصی رنگین ایڈیشن شائع ہوئے۔

تابوت میں لپٹی میت پی آئی اے کے ذریعہ لاہور میں آئی۔ پھر ہیلی کاپٹر کے ذریعے فیصل آباد میں گئی۔لاکھوں لوگوں نے شرکت کی۔کئی دیوانے نصرت نصرت پکارتے ہوئے بے ہوش ہوگئے، کئی مرگئے۔پنجاب کے گورنر اور وزیر اعلیٰ سمیت مقتدر لوگوں نے جنازے میں شرکت کی۔صدر، وزیراعظم اور قائد حزب اختلاف کے تعزیتی بیانات نشر ہوئے۔

نصرت کی قوالیوں کی مانگ پہلے ہی کیا کم تھی کہ اور زیادہ بڑھ گئی۔لوگ ان قوالیوں کو برکت کے لیے سنتے ہیں، بلکہ بسوں ویگنوں والے فجر کے وقت افتتاح کرتے ہیں تو نصرت کی قوالیوں سے کرتے ہیں۔اخبارات نے نصرت کو صوفی لکھا۔عارف لکھا۔اسے اللہ والا بنا کر پیش کیا۔بعض نے یہاں تک کہا کہ ''نصرت قابل پرستش ہستی'' ہے۔

غرض جس کی دنیا یوں دیوانی ہے۔مشرق ومغرب کے لوگ جس کے دلدادہ ہیں، ہندو، بدھ مت، عیسائی اور مسلمان جس کے کلام پر سر دھنتے ہیں۔اس آدمی کا کلام ہے کیا؟ وہ کیا کہتا ہے؟ وہ کیا گاتا ہے؟......سیدھی سی بات ہے، باتیں دو ہیں۔ایک کلام اور دیوان کی بات ہے، دوسری اس کی سُر، لَے اور آواز کی بات ہے۔جی ہاں! فلاں دوشیزہ بڑی حسین جمیل ہے۔بلکہ اس قدر خوبصورت ہے کہ حسن اس پہ نثار ہے۔یہ بات تو ٹھیک ہے کہ واقعی حسینہ ہے مگر یہ اس کا ظاہری پہلو ہے، لیکن اگر یہ حسینہ ہندو ہو یا بدھ مت ہو تو ایک مسلمان کو اس کا اسلام، اس کا اللہ اور اس کا رسول ﷺ اسے اس حسینہ سے نکاح کرنے سے روکتے ہیں، وہ شادی نہیں کرسکتا، کیونکہ:

﴿وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ﴾ (البقرہ: ٢٢)

''مسلمانو! مشرک عورتوں سے تب تک مت نکاح کرو جب تک کہ ''ایمان نہ لے

آئیں۔ ایک ایمان والی لونڈی مشرک عورت سے (بہر حال) بہتر ہے، خواہ مشرک عورت کا حسن کتنا ہی تمہاری آنکھوں کو چندھیا دے۔“

نصرت کا ”سُر“ اور ”لَے“ سے مسلح ہوکر عزت الٰہی پر حملہ!!:

قارئین کرام! نصرت کی آواز کا حسن، اس کی لَے کی جاذبیت، اس کے سُر کی دلکشی،...... یہ ساری چیزیں اپنی جگہ......لیکن اگر ان آوازوں اور ان سروں کی تان کے ساتھ جو کلام ہوا میں بکھرے، وہ اللہ کی عزت پہ گستاخی کے چھینٹے اڑائے۔ مولا کریم کی عظمت پہ توہین کے دھبے ڈال دے۔ تو پھر ہم اس کلام کو......اس شخصیت کو......اس ہردلعزیزی کو......دنیا کے اس پرٹوکول کو، کس نظر سے دیکھیں......؟ یقین جانئے! جب کچھ ایسا منظر نصرت کی قوالیوں کا میرے سامنے آیا، تو مجھے نصرت پہ ترس آیا۔ مجھے نصرت پہ رحم آیا......کہ اس نے دنیا میں تو سب کچھ حاصل کرلیا مگر آج وہ جس کے پاس پہنچا......اس مالک کا تو نصرت نے اپنی قوالیوں میں ذرہ بھر بھی ”لحاظ“ نہیں کیا۔

جی ہاں! میں نے تو اپنا فرض ادا کرتے ہوئے 1994ء میں ان کی قوالیوں پر تفصیلی مضامین لکھ کر یہ تحریریں نصرت تک پہنچائی تھیں۔ مقصد میرا محض ہمدردی تھا۔ آج ان کی موت کے بعد پھر انہیں شائع کر رہا ہوں تا کہ ان لوگوں کے ساتھ ہمدردی کروں کہ جنہوں نے نصرت کی قوالیوں کو اب اور زیادہ سننا شروع کر دیا ہے۔

نصرت کی تین معروف قوالیاں

نصرت کی معروف قوالیوں میں سرفہرست قوالی یہ ہے ۔

دم مست قلندر مست مست
اکو ورد ہے دم دم علی علی

”مست“ یعنی اپنی ہستی کو ختم کر کے صرف ایک ہی وظیفہ ہے۔ ایک ہی ورد ہے۔ اور وہ

ایک ایک ''دم''یعنی ایک ایک سانس کے ساتھ ورد ہے اور وہ ہے علی علی۔

قارئین کرام! ورد اور وظیفہ عبادت ہے اور عبادت صرف ایک اللہ کی ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں جس قدر وظائف واوراد اور اذکار موجود ہیں، وہ صرف اللہ کے نام سے ہیں۔اللہ کے رسول ﷺ بھی اذکار کرتے تھے مگر وہ سب اذکار اللہ کے نام سے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی یہی اذکار کرتے تھے۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے کبھی اللہ کے رسول ﷺ کے نام کا ورد وظیفہ یا ذکر نہیں کیا۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی ورد کرتے تھے تو صرف اللہ تعالیٰ کے نام کا......اسلام کی تعلیم تو اس قدر شفاف ہے کہ

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهَ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ

کے جو الفاظ ہیں، تو ان میں اللہ کی الوہیت اور محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی ہے لیکن جب ذکر کی بات آئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَفْضَلُ الذِّ کْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

''افضل ذکر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔''

یعنی جب ذکر کی بات آئی تو وہ صرف اللہ کے نام کا ہے مگر یہاں معاملہ اس کے بالکل برعکس!

''اکو ورد ہے دم دم علی علی''

کہہ کر اللہ کی بھی نفی کر دی۔(استغفر اللہ)

پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بول یوں بولے جاتے ہیں:

شاہ مرداں علی
لا مکاں الا علی

مردوں کے شاہ علی ہیں......اور وحدۃ الوجود کے عقیدہ کے مطابق کہ اللہ ''لامکان'' ہے۔یعنی اس کا کوئی مکان، کوئی جگہ نہیں یہ دعویٰ کیا گیا۔حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى ﴾ (سورة طٰهٰ: ٥)

''رحمان عرش پر جلوہ افروز ہے۔''

اب اللہ تو کہے کہ ''میں عرش پر ہوں'' اور صوفیاء کا کلام کہے کہ اللہ ''لا مکان'' ہے اور پھر ظلم یہ ہے کہ اللہ کے بارے میں اس غلط نظریے کا مستحق بھی نصرت قوال۔ اللہ تعالیٰ کے بجائے علی رضی اللہ عنہ کو قرار دے ڈالے، یہ کہہ کر کہ:

لَا مَكَانَ اِلَّا عَلِيّ

مکان نہیں ہے، جگہ نہیں ہے، یعنی کچھ نہیں ہے، اگر ہے تو وہ علی ہی علی ہے تو جناب والا! اللہ کی بھی نفی ہوگئی اور اللہ کی جگہ پر علیؓ کو بٹھا دیا گیا۔ (استغفر اللہ) اور پھر جناب! موسیقی کی ماما، گاما اور ساما وغیرہ کی رٹ لگا کر یوں گردان کرتا جاتا ہے:

حق حق علی مولا علی علی

کے الفاظ کو بار بار دھرائے جاتا ہے اور پھر ؎

حق مولا علی علی
مشکل کشا علی علی

کہہ کر مدد کے لیے پکارا جاتا ہے مگر جب میں نے قرآن کھولا تو قرآن کی سورۃ ''رعد'' جس کا معنیٰ ''گرج'' ہے۔ اس نے اللہ کی توحید گرج کر بیان کی اور غیر اللہ کو پکارنے کی نفی ایسے خوبصورت پیرائے میں بیان کی کہ دل کے دریچے وا ہوگئے اور جام توحید سے دل مسرور ہوگیا۔ ملاحظہ ہو ''سورۃ رعد'' کی گرج اور خوبصورت پیرایہ۔۔۔ فرمایا:

﴿ لَهٗ دَعۡوَةُ الۡحَقِّ وَالَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ لَا يَسۡتَجِيۡبُوۡنَ لَهُمۡ بِشَىۡءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيۡهِ اِلَى الۡمَآءِ لِيَبۡلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ وَمَا دُعَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ اِلَّا فِىۡ ضَلٰلٍ ﴾ (الرعد: ١٤)

''اسی (اللہ) کے لیے حق کی پکار ہے۔ رہیں وہ ہستیاں کہ جن کو لوگ اس (اللہ)

کے علاوہ پکارتے ہیں۔وہ ان کے کچھ کام نہیں آ سکتیں۔(انہیں پکارنا ایسا ہی ہے) جیسے کوئی اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلا دے (اور اس کے سامنے گڑگڑائے) تاکہ پانی (اسکی پکار سن کر، اس کے گڑگڑانے پر رحم کر کے) خود بخود اس کے منہ تک پہنچ جائے حالانکہ ایسا کرنے سے کبھی اس کے منہ تک پہنچنے والا نہیں (اسی طرح) منکرین توحید کی پکاریں (اصل راہ) بھٹکنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔''

قارئین کرام! آپ نے دیکھا۔قرآن کیا کہہ رہا ہے؟ مگر اس قرآن سے بے خبر ہمارے اخباری رپورٹر''جنگ'' کے صفحہ اول پر یوں رپورٹنگ کر رہے تھے:

''جس طرح ہمارا ایک فوجی میدان جنگ میں یاعلیؓ کا نعرہ لگا کر اترتا ہے۔ اسی طرح نصرت فتح علی خان موسیقی کے میدان میں شاہ مردان علی کہتے ہوئے اترتے تھے۔''

اس رپورٹر بے چارے کو کیا پتا کہ وہ نصرت کے جس نعرے کی تعریف کر رہا ہے اور اس پر جو دلیل دے رہا ہے، وہ تو خود بلا دلیل ہے اور ایک غیر اسلامی فعل ہے۔اللہ کے رسول ﷺ جب میدان جنگ میں یہودیوں کے خلاف خیبر میں اترے تھے اور وہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، تو اللہ کے رسول ﷺ نے! اللہ اکبر!''خَرِبَتْ خَيْبَرُ'' کا نعرہ لگایا تھا اور پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کی یلغار سے خیبر برباد ہو گیا تھا۔ ثابت ہوا اللہ کے رسول ﷺ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کے نعرے لگائے......مگر آج ہمارا جو فوجی جوان''یاعلی'' کا نعرہ لگاتا ہے تو وہ سورہ رعد کے مندرجہ بالا حکم''لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ'' کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کا اسوہ ترک کرتا ہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا طریقہ چھوڑتا ہے۔ یہی کام''لسوڑی شاہ'' کے پڑوس میں رہنے والا نصرت کیا کرتا تھا۔غرض اس کی بات نعرے سے کہیں آگے جا چکی تھی، جیسا کہ ہم نے عرض کیا۔

دوسری قوالی: میرا قرآن کیا ہے، دین اور ایمان کیا ہے؟

نصرت فتح علی خاں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اللہ بنا ڈالا ......آیئے! اب دیکھیں کہ وہ لاہور کے معروف بزرگ علی ہجویری کو کیا بناتے ہیں؟

اک اک حرف داتا دے ناں دا
سانوں دسدا وانگ قرآن ایں
آدم ساڈا دین کی پچھدا ایں
ساڈا داتا دین ایمان ایں
مکھ تکنا داتا پیارے دا
عاشق دی تلاوت ہندی اے
دم دم داتا دا ناں لیاں
اصلی عبادت ہندی اے
تیرے دیکھنے توں مینوں سب دسدا
تیری صورت وچوں رب دسدا
داتا داتا کردی سیّو میں داتا ہوئی
کراں تسبیح میں داتا تیرے ناں دی

قارئین کرام! نصرت کہہ گیا ہے، داتا کے نام یعنی علی کا ایک ایک حرف...... ع، ل، ی ......مجھے قرآن کی طرح دکھائی دیتا ہے اور یہ کہ ہم سے کیا پوچھتے ہو؟ ہمارا دین بھی ایمان بھی داتا ہے۔ ہم عاشقوں نے داتا کا چہرہ دیکھ لیا تو ہماری تلاوت ہوگئی لہٰذا قرآن پڑھنے کی کیا ضرورت ہے اور ایک ایک سانس کے ساتھ داتا کا نام لے دیا تو ہماری عبادت ہوگئی اور عبادت بھی اصلی۔ اب اگر یہ اصلی عبادت ہے تو نقلی عبادت کون سی ہوگی؟ اس پر قارئین کو سوچ لینا چاہیے اور آخر میں تو بات ہی ختم کردی، صاف کہہ دیا کہ داتا کو دیکھ لیا تو سب کو

دیکھ لیا، کیونکہ صورت داتا کی ہے مگر حقیقت میں رب نظر آ رہا ہے اور پھر مونث بن کر کہا: ''سہیلیو! میں داتا داتا کردی خود بھی داتا ہوگئی۔'' میں داتا کے نام کی تسبیح کر رہی ہوں۔ دوسرے لفظوں میں ''سبحان اللہ'' کی بجائے سبحان داتا کہہ رہی ہوں......اور یوں کرتے کرتے خود بھی داتا ہوگئی ہوں......یعنی تان جہاں آ کر ٹوٹی وہ ''وحدۃ الوجود'' ہے۔

تیسری قوالی: 'مندراں، تِلک اور جوگی کلچر:

یہ بھی نصرت کی معروف قوالیوں میں سے ہے۔ بول اس کے یوں ہیں:

کنیں مندراں پا کے
متھے تلک لگا کے
نی میں جاناں جوگی دے نال
جوگی نہیں کوئی روپ ہے رب دا
بھیس جوگی دا اس نوں پھبدا
اس جوگی مینوں کیتا روگی
نی میں جاناں اس جوگی دے نال

قارئین کرام! یہ کانوں میں بالیاں اور مندریاں بھلا کن کا کام ہے؟ ہندو سادھو تو آپ نے دیکھے ہی ہوں گے، یہ ان کا کام ہے۔ ماتھے پہ تلک بھی ہندو کی ثقافت ہے۔ ہندوؤں کی ہر عورت ماتھے پر تلک لگاتی ہے۔ باقی جوگی کا جو تصور ہے اس کے پس منظر میں جس قدر کہانیاں اور قصے ہیں۔ سب ہندوانہ ہیں۔ اب نصرت یہ ساری باتیں کہہ کر تان پھر وہیں آ کر توڑتا ہے کہ یہ جو جوگی ہے، یہ جوگی نہیں، بلکہ اصل میں رب کا روپ ہے۔ بس رب نے جوگی کا بھیس بدلا ہے اور یہ بھیس بڑا جچا ہے۔ اب اس جوگی نے مجھے روگی کر دیا ہے۔ چنانچہ سہیلیو! میں تو اس جوگی کے ساتھ ہی جاؤں گی......بہرحال! تان پھر جہاں آ کر ٹوٹی اس کا نام ''وحدۃ الوجود'' ہے یعنی ہر شے اللہ ہے۔

نصرت کی آخری کیسٹ بلھے شاہ کے کلام پر ریکارڈ ہوئی:

اخبار نے یہ بھی اطلاع دی کہ نصرت فتح علی خان کی زندگی کی جو آخری عارفانہ کیسٹ تیار کی گئی ہے، اس میں بابا بلھے شاہ کا کلام ریکارڈ کیا گیا......اب بابا بلھے شاہ کا کلام کہ جسے کتابی شکل میں معروف اشاعتی ادارے فیروز سنز لاہور نے شائع کیا ہے۔اس میں واضح طور پر لکھا ہے کہ بلھے شاہ ''وحدۃ الوجود''یعنی ہمہ اوست کے قائل تھے۔

اللہ تعالیٰ آدمی اور چیتا بن کر آ گیا:

یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی ایک نظم کا عنوان ہی یہ رکھ دیا''مولا آدمی بن آیا''اور پھر اس عنوان کے تحت لکھا۔

آپے آہو، آپے چیتا، آپے ہارن دھایا
آپے صاحب، آپے بردا، آپے مل وکایا
مولا آدمی بن آیا
بازی گر بازی کھیڈی، مینوں پتلی وانگ نچایا
میں اس تالی پر نچناں ہاں جوگت مت یار لکھایا
مولا آدمی بن آیا

مطلب یہ ہے کہ اللہ خود ہی ہرن ہے، خود ہی چیتا ہے، اب وہ چیتا ہرن کا شکار کرتا ہے۔ کوئی مارنے والا مارتا ہے تو یہ سب اللہ ہی کے مختلف روپ ہیں اور پھر خود ہی غلام یعنی یوسف علیہ السلام ہے۔خود ہی اس کا آقا یعنی عزیز مصر بنتا ہے اور جو بیچنے والا تھا یوسف کو۔وہ بھی اللہ ہی تھا۔غرض وہ اللہ ایسا''بازی گر''ہے جس نے ایسی بازی کھیلی ہے کہ مجھے پتلی کی طرح نچا رہا ہے اور میں اس کی تالی پر ناچ رہا ہوں۔ میں بھی اسی اللہ کا حصہ ہوں۔چنانچہ مولا آدمی بن آیا۔

جی ہاں! یہ ہے وہ کلام جس کے بارے میں انہوں نے کہا تھا کہ ''میں لوگوں کو دیسی گھی پیش کرنا چاہتا ہوں'' اب اگر یہ دیسی گھی ہے تو ڈالڈا کون سا ہوگا؟ جی ہاں! یہ ہیں اس کلام کے ہلکے سے نمونے کہ جسے پھیلانے کی بنیاد پر اخبارات نے لکھا کہ:

''لوگ مرحوم کو مبلغ اسلام قرار دے رہے تھے، جنہوں نے صوفیانہ کلام کو اپنے عظیم فن کے ذریعے نئی تاثیر بخشی۔''

اب اگر یہ صاحب مبلغ اسلام ہیں اور انہوں نے اسلام پھیلایا ہے تو بتلایئے! اللہ کے رسول ﷺ کے لائے ہوئے دین کو ہم کیا کہیں؟

قارئین کرام! ذرا سمجھنے کی کوشش تو کریں کہ ہندو بمبئی ہائیکورٹ میں مقدمہ درج کرواتے ہیں کہ قرآن پر پابندی لگائی جائے کیونکہ یہ قرآن ہمیں مشرک کہتا ہے اور مسلمانوں کو ہمارے خلاف جہاد کرنے اور ہمیں قتل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن پر پابندی لگنی چاہیے۔ مگر...... مگر معروف ہندو گلوکارہ لتا کہتی ہے کہ:

''جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ میرے گلے میں بھگوان بولتا ہے، وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ بھگوان تو نصرت کے گلے میں بولتا ہے۔''

جی ہاں! ہندوستان ٹائمنر نے لکھا کہ:

''نصرت کی وفات پر بھارت میں بھی پاکستان جتنے آنسو بہے''

کیوں نہ بہتے؟ نصرت جب بھارت گئے تو وہاں ان سے ان کی کامیابیوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو ہندو رپورٹر کو جواب دیتے ہوئے نصرت نے کہا:

''مجھے جو کامیابی ملی ہے یہ بھگوان کی کرپا ہے۔''

اس پر ہندو خوش ہوگئے۔ چنانچہ اس کے بعد کلکتہ میں نصرت فتح علی خان کا شو ہوا تو وہاں ڈیڑھ لاکھ کا مجمع تھا۔ اس ہندو مجمع نے تقریب کے آخر میں مطالبہ کیا کہ:

''اے پاکستانیو! ہم سے کشمیر لے لو۔ ہمیں نصرت قوال دے دو۔''

جی ہاں! ہندو قرآن کے اس وجہ سے دشمن ہیں کہ قرآن ان کے عقیدے کا دشمن ہے۔ یہی ہندو نصرت فتح علی خان سے اس وجہ سے محبت کرتے ہیں کہ نصرت کا گایا ہوا کلام جس کی بنیاد ''وحدۃ الوجود'' ہے وہ قرآن کے خلاف ہے اور ہندوؤں کے فلسفہ ویدانت کے مطابق ہے کیونکہ ہندو پنڈت، بھگت بھی ''وحدۃ الوجود'' کے علمبردار ہیں۔ اسلام بت پرستی کو مٹاتا ہے جبکہ نصرت کا عارفانہ کلام جیسا کہ آپ ملاحظہ کریں گے بت اور مندر کو...... اللہ اور مسجد کو برابر رکھ کر ایک ہی درجہ دیتا ہے۔ پھر کیوں نہ ہندو نصرت سے پیار کریں اور قرآن سے دشمنی کریں۔ انہیں یقیناً ایسا ہی کرنا چاہیے اور وہ کر بھی رہے ہیں۔

بی بی سی کے کمپیئر نے بھی ایک بڑی ہی عجیب بات کہی۔ اس نے بیتے دنوں کی ایک بات کو یاد کرتے ہوئے کہا:

> ''جس چاندنی رات نصرت فتح علی خان نے قصرالحمراء (غرناطہ) میں نغمہ سرائی کی تھی تو مجھے یقین ہے کہ اس لمحے ہسپانیہ (سپین) کی خاک میں دفن مسلمان ایک بار اٹھ بیٹھے ہوں گے۔''

اللہ کے بندے! تجھے کیا معلوم؟ اسلام کا تو عقیدہ یہ ہے کہ جو اس دنیا سے جاتا ہے، وہ واپس نہیں آتا۔ اگر نیک ہے تو اس دنیا میں خوار نہیں ہوتا، وہ جنت کے باغات میں عیش کرتا ہے اور اگر بد ہے تو وہ سزا بھگت رہا ہے، سزا دینے والے اسے کہاں چھوڑیں گے؟

اور یہ سپین کے بے چارے مسلمان اپنے آخری دور میں ذلت کی چادر تان کر اسی وجہ سے تو زیر زمین گڑ گئے تھے اور جلا دیے گئے تھے کہ یہ کتاب وسنت کا صاف عقیدہ چھوڑ کر شرک و بدعات میں کھو گئے تھے۔ باجوں، طبلوں اور سرنگیوں کی سروں میں غرق ہو گئے تھے۔ مجاہدوں کی یہ اولاد عیاش ہو گئی تھی، تبھی تو یہ مٹا دی گئی تھی۔ اس نے کہاں اٹھنا تھا! جب یہ مٹائی جا رہی تھی یہ تب کھڑی نہ رہ سکی، اب اس نے خاک اٹھنا تھا اور پھر اٹھ کر کرنا بھی کیا تھا؟ یہی کلام سننا تھا جس کا ابھی ہم نے تذکرہ کیا۔ تو بی بی سی کے کمپیئر نے یا تو نادانی سے

یہ بات کہی اور یا پھر چوٹ کی اور خوب چوٹ کی کہ مسلمان آج بھی اپنی اصل دعوت توحید اور "جہاد" بھول کر نصرت کے دیوانے ہیں۔

مجھے پھر ترس آ رہا ہے:

جی ہاں! مجھے پھر ترس آ رہا ہے، اس بات پر کہ نصرت کا کلام جو رب کے کلام کا منہ چڑاتا ہے۔ بے چارہ نصرت اسی کلام کو سنتا سنتا اس جہاں سے رخصت ہوا۔ بی بی سی نے بتلایا کہ:

"ایسی حالت میں جب کہ انہیں انتہائی نگہداشت کی یونٹ میں نالیاں لگی تھیں اور ان پر نیم غشی طاری تھی، وہ کمرے میں لگے ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ اپنی ترتیب دی گئی موسیقی سنتے رہے۔"

آہ! مجھے کیوں نہ ترس آئے کہ میرے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا:

"اپنے مردوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔"

اور فرمایا:

"جس کا آخری کلمہ لا الہ الا اللہ ہو گیا" دخل الجنہ "وہ جنت میں داخل ہو گیا۔"

مست آنکھیں ......نماز......اور شراب:

مگر نصرت آخر وقت میں بھی موسیقی ہی سنتا رہا: اور پھر ستم تو یہ ہے کہ اس کی لاش لاتے ہوئے لندن سے لاہور تک پی آئی اے والوں نے بھی قرآن کی تلاوت کی بجائے نصرت کا کلام ہی نشر کیا ......ایسا کیوں ہوا؟ یقیناً یہ ایسے ہی نہیں ہوا بلکہ نصرت کے کلام کے مطابق ہوا، کیونکہ ان کا کلام اس طرح تھا۔

مست آنکھوں کی قسم کھانے کا موسم آ گیا
جام کو شیشے سے ٹکرانے کا موسم آ گیا

اے واعظا تو شراب پی لے
نہ کر کچھ اجتناب، پی لے
میں تیری مانوں، نماز پڑھ لوں
تو میری مان، اب شراب پی لے

اور پھر......قرآن۔جس میں اللہ تعالیٰ ۸۷ بار توبہ کا تذکرہ کرتے ہیں۔کہیں اس طرح کہ میں توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہوں اور کہیں یوں کہ میں توبہ قبول کرنے والا ہوں۔مگر جناب نصرت کہتے ہیں۔

''عصمت توبہ ٹھکرانے کا موسم آ گیا''

توجب قرآن کے''حکم توبہ'' کو یوں ٹھکرایا گیا تو پھر''لا الہ الا اللہ'' کہاں سے آتا؟...... اور مرنے سے قبل توبہ کا موقع کہاں سے ہاتھ آتا......؟ اور قرآن کی تلاوت کہاں سے آتی؟

نصرت اور یوسف اسلام:

یہ برطانیہ کا ایک گلوکار ہے، معمولی گلوکار نہیں عظیم، گلوکار، بہت بڑا موسیقار، اس کا نام کیٹ اسٹیونز ہے مگر جب اس نے قرآن پڑھا، وہ اس کے دل میں اترتا چلا گیا اور جب سورۃ یوسف پڑھی تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، اور پھر اس نے''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پڑھ کر اسلام قبول کرلیا۔سورۃ یوسف کے مرکزی کردار یوسف علیہ السلام کے نام پر اپنا نام یوسف رکھا۔

اس نے ایسی سچی توبہ کی کہ میں نے جب اسے لاہور میں دیکھا......اس کی تقریر سنی...... اس کا سراپا دیکھا......سفید چہرے پر پوری داڑھی دیکھی......سر پہ سفید عمامہ دیکھا۔اس کو شلوار قمیص میں ملبوس دیکھا......اسلام پہ جامع خطاب کرتے دیکھا......تو پتا چلا کہ عیسائیت کی تثلیث سے، یورپین معاشرے سے تائب ہونے والا مسلمان کس طرح اپنے آپ کو یکسر بدل چکا ہے!

یوسف اسلام سے میری خط و کتابت بھی جاری ہوئی اور پھر برطانیہ سے میرے بھائی

شفیق الرحمٰن شاہین نے مجھے یوسف اسلام کی ایک کیسٹ بھیجی۔ میں نے جب اسے سنا تو صحرا کی آواز نے کانوں کو چھوا۔ پھر سیرت رسول ﷺ پر یوسف اسلام کی آواز کو سنا۔ ان کی آواز میں اذان سنی اور وہ نغمہ بھی سنا جب اللہ کے رسول ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ آئے تھے۔ تو مدینہ کی بچیاں دف بجا کر اللہ کے رسول ﷺ کا یوں استقبال کر رہی تھیں۔

اَشْرَقَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا
مِنْ ثَنِيَاتِ الْوِدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا
مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ
اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا
جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

مولانا قاضی سلیمان منصور پوری کا منظوم ترجمہ ملاحظہ ہو۔

ان پہاڑوں سے جو ہیں سوئے جنوب
چودھویں کا چاند ہے ہم پر چڑھا
کیسا عمدہ دین اور تعلیم ہے
شکر واجب ہے ہمیں اللہ کا
ہے اطاعت فرض تیرے حکم کی
بھیجنے والا ہے تیرا رب کبریا

قارئین کرام! صحرائی پس منظر میں عربی اشعار جب میں نے یوسف اسلام کی آواز میں سنے۔ پھر ان کا انگریزی منظوم ترجمہ بھی سنا...... تو سوچ رہا تھا کہ یہ گلوکار کہ جس کی آواز پہ انگریز لڑکے اور لڑکیاں رقص کرتے تھے، جھومتے تھے، شرابوں کے جام ٹکراتے تھے۔ آج وہ اسلامی نظمیں پڑھ رہا ہے۔ بوسنیا کے مظلوموں پہ گیت لکھ رہا ہے۔ وہ ''مسلم ایڈ'' بنا کر ہر انداز

سے کام کر رہا ہے۔

آفریں، آفریں اور حسن جاناں:

اب نصرت فتح علی کا حال بھی دیکھیے۔ یہ نسلی مسلمان ہے۔ اخبارات نے اسے انتہائی پاکباز، نفیس اور صوفی شخصیت لکھا ہے......مگر اس پاکباز نے ایک ایسا گیت بھی گایا ہے کہ پس منظر تو وہی صحرائی ہے۔ ہر طرف صحرا ہے۔ صحرا دکھلائی دیتا ہے۔ صحرا کی مخصوص گونج بھی سنائی دیتی ہے۔ نصرت ہاتھ میں اپنا گٹار تھامے ہوئے ہے اب وہ گانا شروع کرتا ہے۔

حسن جاناں کی تعریف ممکن نہیں
آفرین آفرین آفرین آفرین

پیچھے سے ایک انڈین ماڈل گرل نمودار ہوتی ہے۔ وہ نصرت کے گیت پر، آفرین کے بولوں پر، اپنا حسن یوں تار تار کرنا شروع کرتی ہے کہ سر سے کلپ اتارنے سے ابتدا کرتی ہے اور پھر وہ یہ عمل کرتے کرتے کپڑوں سے بھی باہر جاتی ہے۔

قارئین کرام! ذرا فیصلہ کیجیے نا، کہ پاکباز کون ہے؟ پاکبازی کیا ہے؟ نفاست کیا ہے؟ اللہ کے لیے پاکبازی کے لفظ کی یوں مٹی تو پلید نہ کیجیے!

اور جناب! اب آیئے اس تحریر کی جانب کہ جو قوالیوں اور قوالوں سے متعلق ہے جس میں صابری قوال، قاری سعید قوال عابدہ پروین قوالن اور نصرت فتح علی خان کی قوالیاں ہیں۔

آیئے!......اب اسے ملاحظہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے

قوالوں کی گستاخیاں اور شوخیاں

(قوالوں اور ہمنواؤں کا اللہ سے اعلان جنگ)

آج جب میں قوالیاں سننے لگا تو آنکھیں پرنم ہوگئیں، آنسو ہیں کہ تھمنے کا نام نہیں

لیتے۔ آہ! اس قدر میرے بنانے والے مولا کریم کی گستاخیاں اور اس ڈھٹائی سے توہین۔ میرے تو تصور میں بھی نہ تھا کہ ایسی غلیظ گالیوں کو متبرک اور پاکیزہ کلام سمجھ کر سنا جائے گا۔ ہر دربار پہ ان کی مجلسیں سجائی جائیں گی، گھروں میں برکت کے لیے قوالوں کی خدمات حاصل کی جائیں گی، بسوں اور ویگنوں میں دن کی ابتدا قوالی کے سماع سے کی جائے گی۔

میرے مولا کو جو گالیاں یہاں دی جاتی ہیں۔ دین کے نام پر، تقدس کے پردے تلے، وہ کس اہتمام سے سنی جاتی ہیں۔ آج جب میں اپنے قارئین کو ان سے آگاہ کرنے کے لیے سنتا جاتا تھا تو میرا سر چکراتا جارہا تھا۔ حتیٰ کہ سر درد سے پھٹنے لگا اور اب جب میں نے ان گستاخیوں کے خلاف گستاخیاں کرنے کے لیے قلم تھاما ہے تو رب کعبہ کی قسم! میرے آنسو تھم گئے ہیں، درد سر رک گیا ہے، میرا بے قرار دل، قرار کی دولت سے مالا مال ہوگیا ہے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْد

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَ حُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُّقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّكَ

”اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت کا سوال کرتا ہوں اور اس شخص کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو آپ سے محبت کرتا ہے اور ایسے عمل کی محبت مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت کے قریب کردے۔“

قارئین کرام! یہ قوالی اور یہ قوال ......اللہ سے دشمنی اور نفرت کا درس دیتے ہیں۔ قوالی عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے:

”آخری حدیں پھلانگ کر باتیں کرنے والا یعنی بکواس بکنے والا“

اور جس کلام میں یہ بکواس ہو، اس کا نام قوالی ہے۔ جی ہاں یہ قوالی جو ہر دربار پہ رچائے جانے والے عرس پہ گائی جاتی ہے، یہ لوگوں کو اللہ کے انکار پہ ابھارتی ہے اور ساتھ ساتھ شرک کا گند بھی پھیلاتی ہے۔ یہ ہندوؤں کے ”بھجن“ کا روپ دھار کے ہمارے یہاں آئی

ہے مگر اس کا تعلق ہندومت ہی سے ہے۔ اگر کسی کو شک ہے تو آیئے! میاں عزیز قوال کی ایک قوالی ملاحظہ کر لیجئے!

نصرت نے رب تعالیٰ کا نام رام رکھ دیا!

یہ پوری ٹیم ہے قوالی گانے والی۔ ان کے سربراہ کا نام عزیز میاں قوال ہے۔ یہ ملک کا نامور اور معروف قوال ہے۔ بڑے بڑے درباروں پر قوالی کرتا ہے۔ آلات موسیقی اس کے ''ہمنوا'' ہاتھوں میں تھام چکے ہیں۔ ان کی انگلیاں مضراب پہ رقص کرنے کو تیار ہیں۔ پوری طرح منہ پھاڑ کے ہاہاہاہاہا کرتے ہوئے لمبی آوازیں نکالتے ہیں اور پھر عزیز میاں قوال ان آوازوں کے درمیان سے اپنی مکروہ آواز یوں نکالتا ہے۔

ارے میں کیا جانوں رام تیرا گورکھ دھندا

اس پہلے بیت ہی سے لگتا ہے کہ وہ ہندوؤں کے خدا کو مخاطب کر کے قوالی کہہ رہا ہے، مگر ذرا سنئے! یہ کہلاتا مسلمان ہے، اگرچہ یہ رب کو رام کہہ رہا ہے، اس ظالم نے میرے اس رب کریم کو رام کہا ہے کہ جس کے آخری رسول ﷺ نے فرمایا:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

''جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انہی میں سے ہے۔''

میرے پروردگار کے ننانوے نام ہیں پھر اس قوال نے آخر میرے رب کریم کو ''رام'' کیوں کہا ہے؟ مگر...... کاش اتنی سی ہی بات ہوتی جبکہ وہ تو آگے بڑھتا ہے تو پھر صاف طور پر اللہ کا نام لے کر، میرے مولا کو مخاطب کر کے یوں گستاخیاں کرتا ہے۔ ذرا ملاحظہ ہو۔

باغ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں؟
روز حساب جب پیش ہوگا میرا عمل
تو میں کہہ دوں گا
میں کیا جانوں رام

سینہ سپر ہوں دیکھ لے
تیر نظر کا وار کر، آجا نظر کے سامنے
عدل و قہر تیری خوشی
رحم و کرم طلب میری
اچھا! تو چل یونہی سہی
میرے گناہ شمار کر
یہاں میرا امتحان لے
اور یہاں میرا اعتبار کر
ورنہ میں کیا جانوں رام

آدم سے ہوئی نافرمانی
جنت سے اٹھا دانہ پانی
میں دانا ہو کر نادان بنا
اک دانے پہ اتنی نادانی
اے اللہ! خطا شیطان نے کی
اور آدم کو پھینکا باغ جنت سے
میں کیا جانوں رام
او میں کیا جانوں آہ! میں کیا جانوں

غور کیجیے کس قدر اکڑتا ہے، مذاق اڑاتا ہے۔ رب تعالیٰ کی غلطیاں نکالتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بت کدے میں!

پھر انداز بدل کر یوں مخاطب ہوتا ہے۔

ادھر بھی تو ادھر بھی تو
یہاں بھی تو وہاں بھی تو
مندر میں تو مسجد میں تو
کعبے میں تو بت کدے میں تو
معبد میں تو مکتب میں تو
ہر جگہ تو ہی تو
تو ہم کیسے کعبہ بنائیں؟
کس کو سنگ آستاں کر لیں؟
کشاکش میں ہیں تیرے دیوانے
تیرا سجدہ کہاں کر لیں؟

قارئین کرام! یہ قوال یوں رب تعالیٰ کی غلطیاں نکال کر سجدہ کرنے والے کو مشورہ دیتا ہے۔

نہ کر تلاش مرکز سجدہ
تجھے سجدے سے ہے مطلب
جہاں چاہے وہاں کر لے
میں کیا جانوں رام

یعنی اے سجدہ کرنے والے! اگر تو نے ضرور سجدہ کرنا ہی ہے تو جہاں چاہے کر لے۔ چاہے مندر میں کر لے، چاہے مسجد میں کر لے یعنی مسجد اور مندر میں کوئی فرق نہیں ہندو اور مسلم میں کوئی امتیاز نہیں......اور جہاں تک میں قوال کا تعلق ہے، تو میں کیا جانوں رام۔

کبھی میں بھی خدا تھا! نصرت کی منطق:

اور پھر......اے قارئین کرام! یہ قوال صاف صاف کہتا ہے کہ میں بھی رب ہوں اور وہ

یوں کہتا ہے ذرا سنئے تو۔

نکتے کی اونچ نیچ میں سب سے جدا ہوا
آخر الٹ پلٹ کر پھر آپ ہی خدا ہوا
نہ تھا تو خدا تھا، اور کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو میرے ہونے نے
کیونکہ یہاں ہونا نہ ہونا ہے
اور نہ ہونا عین ہونا ہے
تو ڈبویا مجھ کو ہونے نے
نہ ہوتا تو میں خدا ہوتا
اگر بحر معا سے نہ یہ قطرہ جدا ہوتا
نہ یہ دنیا ہی ہوتی نہ یہ عالم بنا ہوتا
وہ بندہ کس کو کہتا؟
ارے اور وہ کس کا خدا ہوتا؟
میں کیا جانوں رام
کوچہ بہ کوچہ کو بہ کو
دریا بہ دریا جو بہ جو
صحرا بہ صحرا سو بہ سو
ہر دم یہی تھی جستجو
ہو جا کبھی تو رو برو
کر لوں ذرا سی گفتگو
لیکن پڑی خود پر نظر

تو دیکھا خود میں ہے جلوہ گر
سن بھئی سادھو کہے کبیرا
ارے! یار بغل، شہر ڈھنڈورا
میں کیا جانوں میں کیا جانوں

قارئین کرام! یہ قوال ہندو ہے یا مسلمان؟ فیصلہ کیجیے کہ جو بار بار ''رام'' مندر اور سادھو کا نام لیتا ہے اور ہندوؤں ہی کی ''ضرب المثل بغل میں چھری منہ میں رام رام'' کے مصداق کہتا ہے کہ رام تو میں خود ہوں جبکہ اسے ڈھونڈا جا رہا ہے شہر شہر نگر نگر۔۔۔

اللہ لیلیٰ کی اداؤں میں ہے!!

اور اب ذرا اسی قوال کا ایک اور ہندوانہ انداز ملاحظہ ہو!

ارے یک بیک جب آنکھ سے پردہ
دوری کا اڑ گیا
تو میں نے توڑ دی منکوں کی مالا
میں من کی مالا جپنے لگا
کیونکہ من کے اندر
ان کا مندر
جس کے اندر بیٹھے شنکر
جوگی پتھر کنکر
میں خود ہی پجاری خود ہی شنکر
میں کیا جانوں رام

اگلے بند میں یہی قوال یوں قوالی کہتا ہے۔

کیسی تسبیح کیسا مصلیٰ؟
کس کی کرپا کس کی پوجا؟
کیا لینا اور کیا دینا؟
تو میرا اور میں تیرا
تو میری مانگے بلا
مجھی کو دیکھ لیں اب تیرے دیکھنے والے
تو آئینہ ہے مرا، تیرا آئینہ ہوں میں
جو میں ہے وہ تو
جو تو ہے وہ میں ہوں
میں کیا جانوں رام

قارئین کرام! اسی قوال کی زبانی اس کی رام کہانی ذرا اور سنیے۔

تو مندر میں ہے مسجد میں
کعبے میں ہے کلیسا میں
لیلیٰ کی اداؤں میں
مجنوں کی وفاؤں میں
فرہاد کی چاہت میں
شیریں کی محبت میں
جمشید کے پیالے میں
اس جام کے ہالے میں
قرآن کے پاروں میں
دریا کی روانی میں

چلتے ہوئے پانی میں
اس دنیائے فانی میں
کربل کی کہانی میں
اے اللہ جب ہر جگہ تو ہی تو ہے
تو پوچھوں؟ آ گیا آ گیا
دانوں کی مالا لے کر صنم خانے میں کون؟
اور اے اللہ تو اگر دانے میں ملتا ہے تو ہر دانے میں کون؟
اور تو اگر بستی میں رہتا ہے تو ویرانے میں کون؟
اور تو اگر شمع میں جلتا ہے تو پروانے میں کون؟
اور تو اگر ساقی بنا بیٹھا ہے تو پیانے میں کون؟
اور تو اگر کعبہ میں رہتا ہے تو بت خانے میں کون؟
میں کیا جانوں ....
پھر کون ہے رام اور کون ہے بندہ؟
تریسٹھ سال مکے میں رہا
پھر کون ہے رام اور کون ہے بندہ؟
معراج کی شب میں ادھر کملی والا ادھر کملی والا
کون ہے رام اور کون ہے بندہ؟
میں کیا جانوں رام تیرا گورکھ دھندا
اے رام میں کیا جانوں.........................

آہ! اس قوال نے میرے اللہ کو خوب سیر ہو کر "رج" کر گالیاں دیں اور پھر "تریسٹھ سال مکے میں رہا" کہہ کر اللہ کے رسول ﷺ کی بھی گستاخی کر گیا، اور پھر اور آگے بڑھتا

ہے اور اللہ اور اس کے لاڈلے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یوں گستاخی کرتا ہے۔

کس واسطے موسیٰ کی ضد طور پر پوری کی
دکھلا کے جھلک آخر کس کی ہوئی رسوائی

غضب کی انتہا ہوگئی کہ یہ قوال رسوائی کا طعنہ کس کو دے رہا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام کو...... یا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پروردگار کو؟ یا دونوں کو طعنہ دے رہا ہے؟ عیسائیوں نے تو فقط اتنی بات کہی تھی کہ "عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے" تو اللہ نے سورۃ مریم میں ان کی اس بات پر یوں غضب کا اظہار فرمایا:

﴿ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۞ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴾ (مریم: ۹۰، ۹۱)

"قریب ہے کہ اس (جملے) سے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں، زمین پھٹ جائے اور پہاڑ کانپ کر ریزہ ریزہ ہوجائیں کہ انہوں نے رحمان کی اولاد بنا دی۔"

قارئین کرام! یہ تو تھا اللہ کا غضب عیسائیوں کے جملے پر کہ انہوں نے رحمان کی اولاد کا دعویٰ کر دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہا......اور جو آج کا قوال خود خدائی کا دعویٰ کر دے، رحمٰن کی غلطیاں نکالے، مقابلہ کرتے ہوئے سینہ سپری کی بات کرے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایک کہے اور پھر جبار و قہار اور عزت و جبروت والے مالک کو رسوائی کا طعنہ بھی دے، تو بتلاؤ! کہ اگر سورۃ مریم میں آسمان کے پھٹنے کی بات ہے، اس بات پر کہ عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو رب کا بیٹا کہا، تو قوال کی باتوں پر تو ساتوں آسمان پھٹ پڑنے چاہئیں۔ مگر قربان جاؤں! اے میرے۔ رحمان مولا! تو نے آسمان کے ریزہ ریزہ ہونے کی بات بھی کی لیکن وہاں اپنا نام رحمٰن بھی ذکر فرما دیا......آپ رحمان ہی ہیں وگرنہ قوالوں کی بکواسیں کہ جن کو لوگ عقیدت سے سنیں، خوب سنیں اور پھر بھی آپ مہلت دیتے جائیں، کیوں نہ زبان

سے نکلے:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۝ اَلرَّحْمَانِ الرَّحِيْمِ۝ ﴾

افسوس کہ ان گستاخیوں کا نام مقدس قوالی ہے، جسے درباروں مزاروں پہ گایا جاتا ہے اور کارِثواب خیال کیا جاتا ہے۔کبھی لوگ صبح کے وقت سورۃ رحمٰن اور یٰسین سنا کرتے تھے، مگر اب ان کی جگہ قوالیوں نے لے لی ہے اور اب لوگ وہ قوالیاں ثواب سمجھ کر سنتے ہیں کہ جن میں رحمان مولا کو گالیاں دی جاتی ہیں۔

بکواس گنجلک گتھی کا سرا وحدۃ الوجود:

قارئین کرام! یہ جو آپ نے اللہ کی گستاخیوں اور توہین کا پہلا منظر دیکھا تو قبل اس سے کہ ہم اس سے بھی کہیں زیادہ گستاخانہ اگلا منظر پیش کریں، ضروری سمجھتے ہیں کہ اس گستاخ گتھی کا سرا ڈھونڈیں جو اس بکواس کا باعث ہے۔یہ سرا ایک مشہور و معروف صوفیانہ نظریے کا ہے کہ جس کا نام ''وحدۃ الوجود'' ہے۔اس کی سادہ سی تعریف یہ ہے کہ جس شے کا بھی وجود ہے، درحقیقت وہ سب ایک ہی وجود کی مختلف شکلیں ہیں۔اس لحاظ سے کائنات کی ہر شے رب ہے۔اشکال مختلف ہیں۔یہی وجہ ہے کہ قوال کبھی اپنے آپ کو رب کہتا ہے اور کبھی رب تعالیٰ سے جھگڑے کرتا ہے۔پھر اس وجودی مذہب میں مختلف مذاہب کی تمیز بھی ختم ہوگئی ہے۔تبھی تو وہ مسجد مندر، بت کدہ و کعبہ اور شیخ و برہمن میں کوئی فرق نہیں کرتا......یہی وہ سبب ہے کہ جس کی وجہ سے اس مذہب کے حامل اپنے آپ کو ''کتا'' بھی کہتے ہیں کہ فلاں دربار کا کتا ہوں ''سگ میراں'' یعنی بغداد والے غوث کا کتا ہوں'' یعنی ان کی نظر میں یہ کتے اور خنزیر، یہ گدّھے اور گدھیں یہ انسان اور حیوان، سب ایک ہی ہیں۔غرض اس مذہب کے مطابق تو پھر محرم رشتوں کا امتیاز بھی اٹھ گیا۔جب کتے اور انسان میں کوئی فرق نہ رہا تو ایک ہی صنف یعنی عورتوں میں کیا فرق ہوگا؟ کہ یہ بہن، یہ بیوی ہے، یہ ماں ہے، یہ خالہ ہے، یہ پھوپھی ہے۔بھئی یہ تو سب ایک ہی ہیں۔سچی بات یہ ہے کہ سیکولرزم، سوشلزم اور لادینیت

نے اسی صوفیت کی کوکھ سے جنم لیا ہے، تبھی تو اشتراکیت میں محرم رشتہ داروں کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔تو بہر حال یہ ''وحدۃ الوجود'' ایسا گندہ، غلیظ اور توہین آمیز صوفیانہ نظریہ ہے کہ جس کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ظلم کی بات تو یہ ہے کہ سب بڑے بڑے صوفیاء اسی نظریے کے قائل تھے اور ان کی لکھی ہوئی کتابیں اسی گندے نظریے کی آئینہ دار ہیں اور یہی وہ نظریہ ہے کہ جسے آج قوالی کے رنگ میں قوال پھیلا رہے ہیں۔حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ اخلاص میں اس نظریے کی جڑ کاٹ دی ہے، فرمایا:

﴿ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ○ وَلَمْ يُوْلَدْ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ○﴾ (سورۃ الاخلا ص :۱، ٤)

''میرے رسول کہہ دو کہ وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے پیدا کیا گیا اور نہ کوئی اس کی برابری کرنے والا ہی ہے۔''

عرش والے پروردگار نے اپنے آخری رسول ﷺ کی زبان سے کہلوا کر ''وحدۃ الوجود'' کے صوفیانہ نظریے کی گردن پر تیشہ چلا دیا کہ نہ کوئی شے اللہ میں سے نکلی ہے اور نہ اللہ ہی کسی شے میں سے نکلا ہے اور وہ اکیلا ہے، یکتا اور تنہا ہے......جبکہ ''وحدۃ الوجود'' کے نظریئے کا نہ سر ہے نہ پیر۔نہ مذہب ہے اور نہ کوئی دین۔الغرض یہ ایک مادر پدر آزاد نظریہ ہے کہ جس کا حامل ''صوفی قوال'' اللہ سے کہتا ہے کہ میرے رو برو آ اور یہ بالکل یہودیوں کی بات ہے کہ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا:

﴿ يَا مُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ﴾ (البقرۃ : ٥٥)

''اے موسیٰ ہم ہرگز نہ مانیں گے جب تک کہ ہم اللہ کو واضح طور پر دیکھ نہ لیں۔''

اور مشرکین مکہ نے بھی یہی مطالبہ کیا تھا کہ اللہ ہمارے روبرو آئے تب مانیں گے۔

آج ان یہودیوں اور مشرکوں کے مطالبے کو یہ صوفی قوال بھی دہرا رہا ہے اور پھر ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا جاتا ہے کہ ''میں نہ جانوں''

واقعی ایسے لوگوں کا نہ دین ہوتا ہے اور نہ ایمان ہوتا ہے اور نہ وہ اپنے آپ کو جانتے ہیں نہ انہوں نے اللہ کو جانا اور نہ رسولِ ﷺ کو جانا ہے اور نہ جاننے والے بے عملوں کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ:

''جب کافر فاجر شخص قبر میں جاتا ہے تو وہ فرشتے جو سخت ڈانٹ ڈپٹ والے ہوتے ہیں۔اس کے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں: ''تیرا رب کون ہے؟''

وہ کہتا ہے:

''ہاہا میں کیا جانوں''

پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں:

''تیرا دین کیا ہے؟''

وہ کہتا ہے: ''ہاہا مجھے معلوم نہیں۔''

پھر وہ سوال کرتے ہیں:

''تیرا نبی کون ہے؟''

تو وہ کہتا ہے: ہاہا مجھے تو اس کا بھی پتا نہیں۔

اب ''میں نہ جانوں'' اور ''ہاہا'' کہنے والے پر ایک اندھا بہرا اور گونگا جلاد مسلط کر دیا جاتا ہے اور اس کے ہاتھ میں ایسا گرز ہوتا ہے کہ وہ اگر پہاڑ پر مارے تو وہ مٹی بن جائے۔اب وہ جلاد یہ گرز اس ''میں نہ جانوں'' کی رٹ لگانے والے پہ مارے گا، وہ مٹی بن جائے گا، پھر اللہ اسے صحیح سالم کر دے گا اور وہ جلاد جب دوسری ضرب مارے گا تو وہ ایسی چیخ مارے گا کہ جسے جنوں اور انسانوں کے علاوہ ہر چیز سنے گی۔ پھر اس کیلیے جہنم کی طرف سے ایک دروازہ کھول دیا جائے گا اور آگ کے بچھونوں میں سے اس کے لیے ایک بستر لگا دیا جائے گا۔

تو یہ دنیا میں ''ہاہا ہی ہی ہاہاہا اور میں نہ جانوں'' کہنے والوں کا انجام ہے، کہ وہاں بھی

''ہاہا'' کریں گے''میں نہ جانوں'' کہیں گے، پھر چیخیں ماریں گے۔ (نعوذ باللہ من عذاب القبر)

جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے رب کریم کے گستاخ کو تھپڑ رسید کیا:

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک روز چلتے پھرتے مدینے میں یہودیوں کے محلے میں پہنچ گئے۔ وہاں ایک جگہ بڑی تعداد میں یہودی جمع تھے۔ اس روز یہودیوں کا بہت بڑا عالم 'فخاص' اس اجتماع میں آیا تھا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فخاص سے کہا:

''اے فخاص! اللہ سے ڈر جا، اسلام قبول کر لے، اللہ کی قسم! تو خوب جانتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم .... اللہ کی جانب سے رسول ہیں۔ وہ اللہ کی طرف سے حق لے کر آئے ہیں، اور تم یہ بات اپنے ہاں تورات وانجیل میں لکھی ہوئی بھی پاتے ہو۔''

اس پر فخاص کہنے لگا:

''وہ اللہ!! جو فقیر ہے، بندوں سے قرض مانگتا ہے اور ہم تو غنی ہیں''

غرض فخاص نے یہ جو مذاق کیا تو قرآن کی اس آیت پر پھبتی کسی تھی

﴿ مَنْ ذَاالَّذِی یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ﴾ (البقرة : ٢٤٥)

''کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے۔''

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ اللہ کا دشمن میرے مولا کا مذاق اڑا رہا ہے تو انہوں نے اس کے طمانچہ دے مارا اور کہا:

''اس مولا کی قسم جس کی مٹھی میں ابوبکر کی جان ہے، اگر ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ نہ ہوتا تو اے اللہ کے دشمن! میں تیری گردن اڑا دیتا۔''

فخاص دربار رسالت میں آ گیا۔ اپنا کیس حکمران مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا اور کہنے لگا:

''اے محمد (ﷺ)! آپ کے ساتھی نے میرے ساتھ کس قدر ظلم کیا ہے۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے صدیق اکبرؓ سے پوچھا کہ:

''آپ نے کس وجہ سے اس کے تھپڑ مارا؟''

تو صدیق نے عرض کی:

اے اللہ کے رسول ﷺ! اس اللہ کے دشمن نے بڑا بھاری جملہ بولا۔ اس نے کہا: اللہ فقیر اور ہم لوگ غنی ہیں۔ اس نے یہ کہا اور مجھے اپنے اللہ کے لیے غصہ آ گیا۔ چنانچہ میں نے اس کا منہ پیٹ ڈالا۔ یہ سنتے ہی فخاص نے انکار کر دیا اور کہا: میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ تب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی گواہی دینے والا کوئی نہ تھا، یہودی مکر گیا تھا، اور باقی سب یہودی بھی اس کی پشت پر تھے۔ یہ بڑا پریشانی کا سماں تھا، کہ اللہ نے اپنے نبی کے ساتھی کی عزت وصداقت کا عرش سے اعلان کرتے ہوئے یوں شہادت دی:

﴿ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَاءُ ﴾

(آل عمران : ۱۸۱)

''اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔''

قارئین کرام! اللہ اور اس کے رسولوں کی گستاخیاں یہودیوں کا وتیرہ رہا ہے مگر افسوس کہ آج مسلمان کہلانے والے اس ڈگر پر چل پڑے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا وہ فرمان یاد آ رہا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم بہر صورت پہلی امتوں کی پیروی میں ایسے برابر ہو جاؤ گے جیسے تیر، تیر سے۔ یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کی بل میں جا داخل ہوئے تو تم بھی داخل ہو جاؤ گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! (ﷺ) کیا یہودی اور عیسائی مراد ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: تو اور کون مراد ہیں؟ (بخاری مسلم)

قارئین کرام! اب اللہ کے رسول ﷺ کی پیش گوئی پہ غور کیجیے اور قوالوں کی گالیاں بھی سنیے...... یہ ایک بین الاقوامی قوال ہے۔ اسے استاد نصرت فتح علی خان قوال کہتے ہیں۔ اس کی قوالی ملاحظہ ہو:

اللہ تعالیٰ کو ''گورکھ دھندا'' کی گالی:

کبھی یہاں تمہیں ڈھونڈا
کبھی وہاں پہنچا
تمہاری دید کی خاطر، کہاں کہاں پہنچا
غریب مٹ گئے، پامال ہو گئے
لیکن کسی تلک نہ تیرا نشان پہنچا
ہو بھی نہیں اور ہر جا ہو
تم اک گورکھ دھندا ہو
(زور دے کر غصے سے)
گورکھ دھندا ہو

اور کئی بار دہراتا ہے...... تم اک گورکھ دھندا ہو۔

اللہ کے بندو! میرے رب تعالیٰ کو ''گورکھ دھندا'' کہنا آہ! کس قدر یہ ظلم عظیم ہے۔ یہودی کے مذاق سے کہیں بڑھ کر یہ مذاق، براہ راست ہے بلکہ یہ مخاطب کر کے گالی ہے...... آج اگر کوئی انسان کسی انسان کو کہے کہ تمہارا تو کوئی پتا ہی نہیں چلتا کہ تم کیا ہو؟ تم ایک گورکھ دھندا ہو تو وہ انسان ایسے شخص کو کیا کچھ نہ سنائے گا، بلکہ قوت رکھے گا تو بھلا کس جواب سے اس کی ''ٹھکائی'' کرے گا؟ مگر یہ قوال رب تعالیٰ کو ''گورکھ دھندا'' کہہ رہا ہے ...... یہ تو ایسا جملہ ہے کہ جس سے رب کا عرش بھی کانپ اٹھا ہوگا۔ فرشتوں نے چھوٹے سے منہ سے یہ کلمہ سنا ہوگا تو وہ لرز گئے ہوں گے۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنے کے لفظ

پر آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہونے کو تیار ہے تو ''گورکھ دھندا'' کے لفظ سے تو عرش رحمان ٹوٹ پڑتا ہوگا مگر یہ تو رحمان کا رحم ہے، اس ''القیوم'' کا کرم ہے کہ ہر شے، یہ گالیاں سن کر بھی تھمی ہوئی ہے.....جبکہ گستاخوں کا تو یہ حال ہے کہ یہ اپنی گستاخیوں سے رکنے کا نام نہیں لیتے، یہ تو بڑھتے ہی جاتے ہیں۔قوال کہتا ہے۔

حیران ہوں اس بات پہ تم کون ہو؟ کیا ہو؟
ہاتھ آؤ تو بت ہاتھ نہ آؤ تو خدا ہو
تم اک گورکھ دھندا ہو
لامکانی کا بھی بہر حال ہے دعویٰ تمہیں
نحن اقرب کا بھی پیغام سنا رکھا ہے
تم اک گورکھ دھندا ہو

پہلی گستاخی تو یہ کہ خالق کائنات اور بتوں کو ایک ہی پلڑے میں رکھ دیا......اور ساتھ وعظ بھی کر دیا کہ جس کی بھی پوجا کرلو کوئی فرق نہیں پڑتا اور پھر یہ قوال رب کریم کو سمجھا رہا ہے کہ تمہاری باتیں متضاد ہیں کہ لامکانی! (جس کا کوئی مکان کوئی جگہ نہیں) ''نحن اقرب'' کہ ہم تو بندے کے بالکل قریب ہیں۔تو یہ باتیں ایک دوسرے کی متضاد و مخالف ہیں۔

اس جاہل قوال سے کوئی پوچھے کہ مولا کریم نے اپنے بارے میں ''لامکان'' کی بات کہاں کی ہے؟ اس کا تو مطلب یہ ہے کہ اللہ ہے ہی کوئی نہیں اور یہ تمہارے صوفیوں کی بات ہے جو تم نے اللہ کے ذمہ لگادی ہے۔ظالمو! خود ہی ایک بات گھڑ کر اللہ کے ذمہ لگاتے ہو اور خود ہی پھر تضاد ثابت کر کے اللہ کو اپنی علمیت جتلاتے ہو؟ تمہی جیسے لوگوں کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے:

﴿ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ﴾ (الحجرات : ١٦)

''میرے نبی! (ان سے) کہو! کیا تم اللہ کو اپنے مذہب کی تعلیم دیتے ہو؟''

پھٹکار تمہاری ایسی سوچ پر......لعنت تمہارے ایسے دماغ پر......تف تمہارے ایسے انداز فکر پر............

میرے مولا کریم نے تو حقیقت بالکل واضح کر دی ہے۔ یہ سورۃ ''طٰہٰ'' ہے ارشاد فرمایا:

﴿ طه○ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ○ اِلَّا تَذۡكِرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى ○ تَنۡزِيۡلًا مِّمَّنۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ وَالسَّمٰوٰتِ الۡعُلٰى ○ اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى ○ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا وَمَا تَحۡتَ الثَّرٰى ○ وَاِنۡ تَجۡهَرۡ بِالۡقَوۡلِ فَاِنَّهٗ يَعۡلَمُ السِّرَّ وَاَخۡفٰى ○ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى ○﴾ (طٰہٰ ۲۰ : ۱، ۸)

''میرے رسول! ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نہیں اتارا کہ آپ مصیبت میں پڑ جائیں۔ یہ تو (ہر) اس شخص کے لیے ایک نصیحت ہے جو ڈر جائے۔ (یہ قرآن) اس ذات کا اتارا ہوا ہے جس نے زمین اور بلند وبالا آسمانوں کو بنایا ہے۔ وہ رحمان عرش پر براجمان ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں اور جو ان دونوں کے درمیان ہے اور جو سیلی زمین کے نیچے ہے، سب اسی کے لیے ہے اور اگر تو بلند آواز سے بات کہے تو وہ تو بھیدوں اور اس سے زیادہ مخفی چیزوں کو جانتا ہے۔ وہ اللہ ہے کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اس کے بڑے خوبصورت نام ہیں۔''

قارئین کرام! اب اللہ جو عرش پر براجمان ہے تو اس کے استوا اور براجمانی کی کیفیت کیا ہے؟ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور جو اس کا کھوج لگاتا ہے وہ گمراہ ہے، جبکہ صوفیوں، فلسفیوں کا کام ہی کھوج لگانا ہے۔ تبھی تو وہ ''وحدۃ الوجود'' کے گٹر میں گرتے ہیں اور قوال درباروں میں کچھ اس انداز سے گاتے پھرتے ہیں ؎

چھپتے نہیں ہو، سامنے آتے نہیں ہو تم
جلوہ دکھا کر جلوہ دکھاتے نہیں ہو تم

دیر و حرم کے جھگڑے مٹاتے نہیں ہو تم
جو اصل بات ہے وہ بتاتے نہیں ہو تم.
حیراں ہوں میرے دل میں سمائے ہو کس طرح؟
حالانکہ دوجہاں میں سماتے نہیں ہو تم
یہ معبد و حرم یہ کلیسا و دیر کیوں؟
ہر جا ہی ہو تبھی تو بتلاتے نہیں ہو تم
تم اک گورکھ دھندا ہو

ارے قوال......!

تو قرآن پڑھے تو تجھے پتہ چلے۔ رحمان نے تو بتلا دیا ہے، ذرا سورہ طٰہ پڑھ کر تو دیکھ مگر تجھے تو "کشف المحجوب، اخبار الاخیار، حلیۃ الاولیاء" وغیرہ ہی سے فرصت نہیں تو تجھے پتا کیسے چلے؟ اور یہ وحدۃ الوجودی کتابیں پڑھ کر پھر تو یہی کہے گا جو کہہ رہا ہے کہ ؎

کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ چکر کیا ہے؟
کھیل کیا تم نے ازل سے رچا رکھا ہے؟

اللہ تعالیٰ کے معیار عدل کا کوئی اعتبار نہیں:

فتح علی خاں قوال کا اک اور گستاخانہ اور بے حد ناگوار انداز بھی ملاحظہ ہو ؎

یہ برائی، وہ بھلائی، یہ جہنم، وہ بہشت
اس الٹ پھیر میں فرماؤ تو کیا رکھا ہے؟
جرم آدم نے کیا اور سزا بیٹوں کو؟
عدل و انصاف کا معیار بھی کیا رکھا ہے
زندگی کتنے ہی مردوں کو عطا کی جس نے
وہ مسیحا صلیبوں پہ سجا دیتے ہو

جذب و مستی کی منزل پہ پہنچتا ہے کوئی
بیٹھ کر دل میں انا الحق کی صدا دیتے ہو
خود ہی لگواتے ہو پھر کفر کے فتوے اس پر
خود ہی منصور کو سولی پہ چڑھا دیتے ہو

غور کیجیے۔ وحدۃ الوجودی قوالوں کے ہاں برائی اور بھلائی کوئی شے نہیں ہے۔ جنت اور جہنم کو وہ الٹ پھیر کہہ رہا ہے۔ پروردگار عالم کے معیار عدل و انصاف کو وہ جھٹلا رہا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں صلیب پہ سجنے کی بات کر کے وہ عیسائیوں کی تائید کر رہا ہے اور قرآن کو جھٹلا رہا ہے۔ قرآن تو کہتا ہے:

﴿ مَاقَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ ﴾

''کہ انہوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی دی......''

اور پھر فرمایا:

﴿ بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ﴾ (النساء : ۱۵۷)

''بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا۔''

یعنی یہ ایسا گستاخ قوال ہے کہ جو اللہ کی بات کی تردید کر کے اللہ کو سمجھا رہا ہے کہ نہیں جو میں کہہ رہا ہوں یہی تمہاری بات ہے کہ تم نے مسیحا کو صلیب پہ سجایا تھا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِكَ الْهَفَوَاتِ

پھر یہ قوال بغداد کے صوفی منصور کی بات کرتا ہے جو وجودی تھا اور اسی گندے نظریے کی بنا پر وہ شیطان کے جھانسے میں آ کر کہنے لگا: ''انا الحق......'' میں خدا ہوں...... تو یہ قوال اس کے بارے میں کہتا ہے کہ منصور کے اندر اللہ ہی تو داخل ہوگیا تھا، جس کی وجہ سے منصور نے ''انا الحق'' کہا تھا اور اس کیفیت کو اس نے ''جذب و مستی'' کا نام دیا ہے، یعنی اللہ اس میں جذب ہوگیا تھا اور پھر وہ منصور مستیاں کرنے لگا تھا...... ایسے ولی کو ''مجذوب ولی'' بھی کہتے

ہیں اور کئی مجذوب الف ننگے بازاروں میں گھومتے پھرتے ہیں۔یعنی جو جتنا بڑا پاگل وہ اتنا بڑا مجذوب ولی۔

ذرا غور کیجیے!طور پہاڑ پہ تو صاحب جبروت ستار مولا ......نے تجلی کی اور طور سرمہ بن گیا، جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوکر گر پڑے......مگر یہ پانچ پانچ من کے گدی نشیں ولی......جن میں بقول صوفیوں کے اللہ جذب ہوجاتا ہے، ان کو کچھ بھی نہیں ہوتا، نہ یہ ''پٹاخے''مارتے ہیں نہ پھٹتے ہیں...... بلکہ یہ اور موٹے ہوتے چلے جاتے ہیں......لوگوں کے مالوں پہ پلتے ہیں، عیاشیاں کرتے ہیں اور برائی بھلائی ان کے ہاں الٹ پھیر ہے۔ مجذوب ولی جو ہوئے۔۔۔اللہ کی پناہ ایسے شیطانی فکر وعمل سے۔

سوھنی کو اللہ مہینوال کی صورت میں نظر آتا تھا:

اپنی ہستی بھی وہ اک روز گنوا بیٹھتا ہے
اپنے درشن کی لگن جس کو لگا دیتے ہو
کوئی رانجھا جو کبھی کھوج میں نکلے
پھر اسے چھمب کے بیلے میں رلا دیتے ہو
جستجو تمہاری لے کر چلے جو قیس کوئی
اس کو مجنوں کسی لیلیٰ کا بنا دیتے ہو
جھوک سسی کے اگر من میں تمہاری جاگے
تم اسے تپتے ہوئے تھل میں جلا دیتے ہو
سوہنی گر تم کو مہینوال تصور کرلے
اس کو بپھری ہوئی لہروں میں بہا دیتے ہو
خود جو چاہو تو سرعرش بلا کرمحبوب

ایک ہی رات میں معراج کرادیتے ہو
تم اک گورکھ دھندا ہو ....

قارئین کرام! نصرت فتح علی خان کی قوالی کا بند آپ نے ملاحظہ کیا کہ کس طرح اس نے انبیا کا ذکر کیا، پھر اس نے اپنے ولی کا تذکرہ کیا، پھر ہیر رانجھے، لیلیٰ مجنوں اور سسی پنوں جیسے عاشقوں کا ذکر کیا اور پھر اللہ اور اس کے آخری رسول امام الانبیاء کا ذکر کر کے نتیجہ یہ نکالا کہ ''یہ سب ایک ہی ہیں'' (اور جہاں تک رب کا تعلق ہے تو وہ)

''تم ایک گورکھ دھندا ہو''

نعوذ باللہ...... کن بدکرداروں کے ساتھ نبیوں کا ذکر کیا، نبیوں کے امام خیرالانام ﷺ کا تذکرہ کیا...... جی ہاں! یہ ہے وہ قوالی جسے لوگ صبح کے وقت تلاوت کی جگہ سنتے ہیں، گھروں میں سنتے ہیں، بسوں اور ویگنوں میں سنتے ہیں، درباروں پہ وضو کر کے سنتے ہیں......اور یہ ہے وہ قوالی جس میں نصرت فتح علی خاں قوال، اللہ کی یوں گستاخی کرتا ہے کہ رانجھا جو ہیر کے پیچھے بھاگتا ہے تو اسے دراصل ہیر میں رب نظر آتا ہے، تبھی تو وہ اس کا عاشق بنتا ہے، اور اسے وہ درشن کی لگن کہتا ہے اور سوہنی کو اپنے عاشق مہینوال میں بھی رب نظر آتا ہے، تبھی تو وہ مہینوال کے پیچھے بھاگتی ہے اور پھر اسی انداز میں یہ گستاخ قوال......اللہ اور اسکے رسول ﷺ کا تذکرہ کر کے کہتا ہے کہ اللہ نے جو خود چاہا تو اپنے محبوب کو عرش پہ بلا کر ایک ہی رات میں معراج کرادیا...... غور فرمایئے! ان عاشقوں کی صف میں اس ظالم نے آخر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نام لیا۔

یہودیوں نے یہی تو کام کیا تھا، انہوں نے اپنے انبیاء پہ الزامات لگائے حتیٰ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پہ بھی اخلاقی الزام عائد کردیا۔ حضرت مریم صدیقہ طاہرہ کو بھی معاف نہ کیا......... اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ جب اس قدر پاکباز لوگوں کا بھی یہ حال ہے تو پھر ہم بھی جو چاہیں کرتے پھریں۔ چنانچہ یہود بدکرداری کے آخری درجے پر جا پہنچے حتیٰ کہ

یہودیوں کے بادشاہ نے ایک فاحشہ رقاصہ کے کہنے پر حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر کاٹ کر طشتری میں رکھ کر اس اداکارہ کے سامنے پیش کر دیا!!!

آج انہی یہودیوں کی اتباع میں دین کے نام پر قوال یہ کام کر رہے ہیں۔ جب وہ نبیوں کا ذکر بدمعاش عاشقوں کے ساتھ کریں گے تو ہر کوئی آزادی سے عاشق بنا پھرے گا۔ وہ کہے گا: ''وہ میرا محبوب ہے، مجھے اس میں خدا نظر آتا ہے، میں تو عاشق صادق ہوں۔ لہٰذا ایسے عاشق صادق حضرات درباروں پہ بے شمار دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ گدی نشین تقریباً سبھی عاشق صادق ہوتے ہیں۔ قوال جو اس کا وعظ کرتے ہیں، یہ نہ جانے کتنے بڑے عاشق صادق ہوں گے؟ اور ظلم تو یہ ہے کہ بدمعاشی بدکرداری اور فحاشی کو چھپانے کے لیے عاشق کے ساتھ ''صادق'' کا لاحقہ لگا دیا گیا ہے۔ قوالی کی صنف کو تقدس کا روپ دے دیا گیا ہے اور کہا جاتا کہ جی! اس کے موجد تو خواجہ معین الدین اجمیری ہیں۔ ارے بھئی! اس کا موجد چاہے کوئی ہو، جب اس میں راگ رنگ اور موسیقی ہوگی، قوالی آلات مزامیر سے اٹی ہوئی ہو گی، اس میں وحدۃ الوجود جیسے گستاخ نظریے کا گند ہو گا تو یہ گند ہی گند ہے، چاہے اس کا موجد کوئی ہو؟ اس لیے تو ہم کہتے ہیں یہ قوالی نور جہاں، ناہید اختر اور انڈیا کی لتا کے فحش گانوں سے بھی زیادہ خطرناک ہے کیونکہ ان میں تو عام طور پر فقط فحاشی ہوتی ہے جبکہ قوالی میں فحاشی بھی ہوتی ہے، شرک بھی ہوتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی گستاخیاں بھی ہوتی ہیں اور پھر ظلم یہ ہے کہ اس غلیظ ملغوبے کو مقدس بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے قوالی عام فلمی گانوں سے کہیں زیادہ شر انگیز اور پرفتن ہے۔ یہی وہ فساد انگیز تماشا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> ''اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو تماش بین باتوں کو خریدتا ہے، تاکہ اللہ کے راستے سے بے سوچے سمجھے گمراہ کرتا پھرے اور اس (دین) کا مذاق اڑاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔'' (لقمان: ٦)

صحیح بخاری میں مذکور مجھے اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان بھی یاد آ رہا ہے:

''بہر صورت میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو بدکاری، ریشمی کپڑوں اور شراب باجوں کو حلال کریں گے۔''

آج دیکھ لیجیے! ''عاشق صادق'' کی اصطلاح گھڑ کے بدکاری، زنا حلال ہو رہا ہے۔ قوال حضرات، میں ''شرابی میں شرابی'' گا کر اور مئے وساغر کا تذکرہ کر کے شراب حلال کیے ہوئے ہیں اور درباروں پر تو بھنگ، ہیروئین، چرس اور بوٹیاں خوب چلتی ہیں اور پی پی کر مجذوب ولی بنتے چلے جا رہے ہیں پھر مستیاں کرتے ہیں اور مریدنیوں کی مرادیں پوری کرتے ہیں۔ باجوں کو ان لوگوں نے حلال کر دیا ہے۔ قوالی کا تو باجوں کے بغیر تصور ہی نہیں اور یہ باجے اور آلات موسیقی آج ہر دربار پر زینت بنے ہوئے ہیں اور تصوف وطریقت کی ''چادر فضیلت تلے'' حلال ہو کر حلالے کرتے پھر رہے ہیں۔

رافضی اور شیعی انداز۔ اللہ کو حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا دشمن بنا ڈالا:

اسی قوالی کا اب اخیر دیکھیے۔ ذرا ظلم کی دہلیز دیکھیے۔ پروردگار عالم سے گستاخ قوال کا انداز تخاطب دیکھیے ؎

جو کہتا ہوں مانا تمہیں لگتا ہے برا سا
پھر بھی ہے مجھے بہر حال تم سے گلہ سا
چپ چاپ رہے دیکھتے تم عرش بریں پر
تپتے ہوئے کربل میں محمد ﷺ کا نواسا
کس طرح پلاتا تھا لہو اپنا وفا کو
پھر تین دنوں سے وہ اگرچہ تھا پیاسا
دشمن تو تھا بہر طور دشمن، مگر افسوس!
تم نے بھی فراہم نہ کیا پانی ذرا سا

ہر ظلم کی توفیق ہے ظالم کی وراثت
مظلوم کے حصے میں تسلی نہ دلاسا
کل تاج سجا رکھا تھا جس شخص کے سر پر
ہے آج اسی شخص کے ہاتھوں میں کاسا
یہ کیا ہے اگر پوچھوں تو کہتے ہو جواباً
اس راز سے ہو سکتا نہیں کوئی شناسا
تم اک گورکھ دھندا ہو.....................

قارئین کرام! قوالی کے یہ بیت اتنے واضح ہیں کہ کسی تبصرے کے محتاج نہیں۔ بس اتنا عرض کرتا ہوں کہ اس ظالم نے میرے مولا کریم کو حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا افسوس کرتے ہوئے ایک لحاظ سے دشمن سے بھی بڑا دشمن کہہ دیا ہے کیونکہ جب دشمن کے ہاتھ روکنے کی طاقت کے باوجود اللہ نے ہاتھ اس کا نہ روکا اور رب دیکھتا رہا تو وہ بھی دشمن ہی ٹھہرا بلکہ بڑا دشمن ٹھہرا...... آہ! یہودیوں نے بھی حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنا دشمن کہا تھا، رب سے بھی ان کو دشمنی تھی اور رب تعالیٰ نے فرمادیا:

﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴾ (البقرہ : ۹۸)

''جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں اور جبرائیلؑ اور میکائیلؑ کا دشمن ہے تو بلاشبہ اللہ بھی کافروں کا دشمن ہے۔''

ارے ظالم قوال...... تو نے جو حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا غم کھا کر اللہ سے دشمنی کی ہے اور پھر اللہ کو گورکھ دھندا کہا ہے تو آج اگر حسن و حسین رضی اللہ عنہما ہوتے تو تجھے ابلیس کا ساتھی کہہ کر تیرے منہ میں مٹی ڈالتے کیونکہ ابلیس اللہ کا دشمن ہے اور وہ دونوں تو اللہ کے رسول کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھے اور اللہ کے عبادت گزار غلام اور بندے تھے انہوں نے شہید ہو کر اپنا اجر پالیا اور

تو سوچ کہیں تو نے رب سے دشمنی کر کے اپنے آپ کو راندہ درگاہ تو نہیں کرلیا؟

اشتراکی انداز:

نصرت فتح علی خان قوال رب تعالیٰ سے دشمنی کرنے کے بعد خوش ہو کر یوں الا بلا بکتا ہے۔

ساماں سارے نی نی ساں ساں سا سارے رے
رے گرڑ گرڑ گرڑ گرڑ ماما ماما ماما با با با ڈنگ ڈا
ڈنگ ڈا دے دے ماما ما ما

وغیرہ بکواس بسیار بکتا اور پھر میرے مولا کریم کو کہتا ہے۔

تم اک گورکھ دھندا ہو......................

اور پھر کیمونسٹوں، اشتراکیوں، دہریوں، زندیقوں کا انداز اپنا کر یوں دشمنی کرتا ہے کہ مولا کریم کا انکار بھی کرتا ہے اور اقرار بھی کرتا ہے۔ کسی کے انکار کرنے کا یہ بھی اک خوب انداز ہے کہ حقیقت کو الجھا دیا جائے، شک پیدا کر دیا جائے، تردد وریب میں مبتلا کر دیا جائے، چنانچہ اس قوال کی دشمنی ملاحظہ ہو۔

مسجد، مندر اور شراب خانے سب برابر ہیں!:

مسجد مندر یہ مئے خانے
کوئی یہ مانے کوئی وہ مانے
سب تیرے ہیں جاناں، کاشانے
کوئی یہ مانے کوئی وہ مانے

اک ہونے کا تیرے کوئی قائل ہے
انکار پہ کوئی مائل ہے

اصلیت لیکن تو جانے
کوئی یہ مانے کوئی وہ مانے

اک خلق میں شامل کرتا ہے
اک سب سے اکیلا رہتا ہے
ہیں دونوں تیرے مستانے
کوئی یہ مانے کوئی وہ مانے

سب ہیں جب عاشق تمہارے نام کے
کیوں یہ جھگڑے ہیں رحیم و رام کے؟
تم اک گورکھ دھندا ہو.....................

غور کیجیے! وہ مندروں، مسجدوں اور شراب خانوں کو برابر درجہ دیتا ہے اور پھر ہندوؤں کے بت ''رام'' کو اور ساری کائنات کے خالق ''رحیم'' کو ایک ہی نام دے کر گورکھ دھندا کہہ کر گالی دیتا ہے ''اللہ کی پناہ اس بکواس سے!''

شرک کی دلدل:

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے تصوف کا دامن بڑا وسیع ہے۔ یہاں اللہ کی گستاخی، اس کے نبیوں کی گستاخی، دین کا مذاق، الحاد اور بے دینی، فحاشی اور بے حیائی سب کچھ ملے گا، بدعات کی جنس تو وافر مقدر میں دستیاب ہے ہی.....شرک اس منڈی کی اصل جنس ہے۔

دمڑی سرکار کو دیکھنا ''رب'' کو دیکھنا ہے:

یہ دیکھئے کوئی دمڑی دمڑی مانگتا مر گیا تو اس کے نام کی بھی قوالی بن گئی ؂

دمڑی والی سرکار قلندر
سب دا سینہ ٹھار قلندر
دیدار تیرا دیدار رب دا

ایک قوالن عابدہ پروین لاہور کے علی ہجویری کی شان میں یوں دھمالیں ڈالتی ہوئی کہتی ہے ؂

توں ایں داتا ہجویر دا
رب تیری نہیں موڑ دا
گلاں ساریاں سنانیاں
میں رج رج کے دھمالاں پانیاں

اور جہاں یہ قوالن گائے گی اور دھمالیں ڈالے گی، بھلا وہاں لوگوں کا ہجوم کیوں کر نہ ہوگا؟
نصرت فتح علی خاں کہتا ہے ؂

داتا دا دروازہ لبھا
لوڑ مکّی دربہ ور دی اے
داتا دے دروازے توں
سب دی جھولی بھر دی اے
دل کسے گنہگار وانہیں توڑ دا
اوہ نہیں توڑ دا نہیں توڑ دا

اب قوال تو کہتا ہے کہ علی ہجویری گناہ بخشتا ہے، جبکہ اللہ کا قرآن اس کے برعکس یوں ہے ؂

﴿ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ (آل عمران : ۱۳۵)
''اور اللہ کے علاوہ کون ہے گناہ بخشنے والا؟''

تقدیر اور جنت داتا کی جاگیریں:

اسی طرح قاری محمد سعید چشتی کچھ اس طرح گاتا ہے ؎

تقدیر بدلنے والے دااے وچ لاہور دے ڈیرا
یا داتا داتا کہندا رہواوہ کدے تے پچھو کیہڑا کیہڑا
لوکاں دے ہور سہارے لکھاں
پر سانوں سہارا ای تیرا
میرا دین ہے داتا میرا ایمان ہے داتا
شکل انسان میں بھگوان ہے داتا
صحرائی کفنی پہنے آیا ہے در پہ رہنے
دو گز زمین دے دے، اپنا غلام کہہ دے
میں نے سنا ہے جنت داتا کی جاگیر ہے
پیروں کا پیر ہے روشن ضمیر ہے

قارئین کرام! داتا کے در کے بعد سب دروں کی ضرورت ختم ہوگئی......تو یہ تو ہوگئیں دنیا کی ضرورتیں، جو داتا پوری کرتا ہے......پھر رہ گئی آخرت کی ضرورت اور آخرت کی ضرورت کا مطلب ہے گناہ بخشے جائیں، چنانچہ گناہ گاروں کے دل بھی داتا نہیں توڑتا، یعنی گناہ بھی داتا بخشتا ہے۔ پھر تقدیر بدلنے کا کام بھی داتا کرتا ہے۔ پھر لوگوں کے تو اور کئی سہارے ہوسکتے ہیں مگر قوال کا سہارا فقط داتا ہے، یعنی وہ داتا ''وحدہ لا شریک'' ہوا۔ پھر دین بھی داتا ہے، ایمان بھی داتا ہے، یعنی داتا کو مان لو اس کے گن گالو......اب ایمان بھی کامل ہوگیا اور دین بھی پورا ہوگیا......اور یہ جو داتا ہے تو جنت بھی اس داتا کی جاگیر ہے اور ذرا پوچھیئے کہ یہ کون ہے؟ کیا یہ رب ہے؟ تو قوال کی آواز آئے گی...... ''یہ شکل انسان میں بھگوان ہے۔''

ارے بھئی! بھگوان تو ہندوؤں کا دیوتا ہے، اس میں رب تعالیٰ کی ساری صفات مان کر

جو بھگوان کہہ رہا ہے تو بھگوان تو ہندوؤں کا ہوتا ہے، مسلمانوں کا نہیں۔

اے مسلمانو! اسی سے سمجھ لو کہ یہ خانقاہوں پہ قوالوں کا پیش کردہ دین کن کا ہے؟ اس کا تعلق اسلام سے ہے یا ہندومت سے ہے؟ میں کچھ نہیں کہتا۔ خود "میراں کے کتے" سگ میراں قاری محمد سعید چشتی نے کہہ دیا ہے کہ اس درباری اور قبوری مذہب کا تعلق بھگوانی قوم سے ہے، اسلام سے نہیں۔

پورے اڑھائی قلندر!:

قارئین کرام! قاری تو قرآن کا ہوتا ہے مگر یہ قوال اپنے آپ کو "قاری" کہتا ہے۔ تعجب کی بات ہے!! اور اپنے آپ کو عبدالقادر جیلانی کا کتا بھی کہتا ہے۔ یہ تو ماننے والی بات ہے۔ بہر حال اس قوال کی ایک قوالی نے بڑی دھوم مچائی، گھر گھر سے اس کی آواز بلند ہوئی اور یہ چار زبانوں میں کہی گئی، عربی، اردو، انگریزی اور پنجابی میں..........اور اب یہ قوالی ملاحظہ ہو۔

اے دل اک ڈونگا سمندر
کدے دارا کدے سکندر
جیہڑا اس دل وچ ڈب جاوے
اوسے دا نام قلندر
حق حق دما دم مست قلندر

اور اب عربی میں ملاحظہ ہو۔

هذا القلب كبحر عميق
احياناً كدارا واحياناً كسكندر
من غرق في هذا البحر
يقال له قلندر
دما دم مست قلندر

He who since in this Heart
oh Heart your thought is a deep sea
it is once Dara and since Sikandar
A Great Empress and elexander
A Great warrier........................

دسو جی کون قلندر
اخبرنی من ھو قلندر عظیم

Tel us How it Super qulandere

اب یہ سپر قلندر تو سہون شریف والا شاہباز ہوگیا۔ پھر یہ قوال قاری کہتا ہے۔

تے بوجھو دوجا کون قلندر ؟
من قلندر ثانی؟

How is the Second qulanedre?

بوعلی قلندر دوسرا قلندر ہوگیا۔

تے اگے کون قلندر؟

How is the Half qulandere?

رابعہ بصری آدھا قلندر
حق حق دما دم مست قلندر

یہ ہوگئے اڑھائی قلندر......

میرے ماتھے پہ بندیا رہنے دو:

ان قلندروں کا تذکرہ کرنے کے بعد اب قلندرانہ مذہب دیکھئے کہ جسے قاری سعید چشتی نے یوں بیان کیا ہے۔

جیہڑے نشہ عشق وچ رہندے
اوہ انا الحق وی کہندے

اپنے ماتھے پہ بندیا کو سجا رہنے دو
یہ ستارہ میری قسمت کا پتا دیتا ہے
ساغر و جم سے پیار کرتے ہیں
ہم یہی کاروبار کرتے ہیں
رند اتنے گناہ نہیں کرتے
جتنے پرہیز گار کرتے ہیں
ہم تیری بندگی نہیں کرتے
تیرے بندوں سے پیار کرتے ہیں

جیہڑے نشہ عشق وچ رہندے
اوہ اناالحق وی کہندے

قارئین کرام! ماتھے پہ بندیا بھلا کن کا شعار اور علامت ہے؟ یہ ہندومت کی علامت ہے اور وہ کہتا ہے کہ یہی علامت میری قسمت کا پتا دیتی ہے۔ پھر شراب سے وہ پیار کرتا ہے اور گناہ کرنے پر وہ ایک طرح سے اصرار کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کو صاف طور پر مخاطب کر کے کہتا ہے ؎

ہم تیری بندگی نہیں کرتے
ترے بندوں سے پیار کرتے ہیں

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے کلام میں تخلیق انس وجن کا مقصد ہی عبادت بتلایا ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾ (الذاریات : ٥٦)

''میں نے انسانوں اور جنوں کو فقط اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔''

مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ وحدۃ الوجودی صوفی باقاعدہ منصوبے کے تحت اللہ اور اس کے

رسول کی باتوں کو جھٹلانے پر لگے ہوئے ہیں ......اور یہ جو بندوں سے پیار کی بات کرتا ہے تو یہ صاف جھوٹ ہے، جو بندے کے بنانے والے سے دشمنی کرتا ہے، اس کی باتوں کا انکار کرتا ہے، اس کی غلامی سے بھاگتا ہے، اس کی ہمسری کا دعویٰ کرتا ہے، وہ اس کے بندوں سے خاک پیار کرے گا؟ اور ان درباروں پہ بندوں کے ساتھ جو پیار ہوتا ہے بھلا وہ کسی سے اوجھل ہے؟ غریبوں کی نذروں نیازوں پہ یہ اہل دربار پلتے ہیں، ان کی عزتوں سے کھیلتے ہیں اور غریب بندوں کو اپنے دیدار اور دعاؤں پہ ٹرخا دیتے ہیں......

لیلیٰ کی زلفیں، شراب اور مستی:

ہاں البتہ جو عزتوں سے کھیلنے کا کاروبار ہے، پیار کا جو یہ انداز ہے، نشہ عشق میں رہنے کا یہ جو اعلان ہے، یہ تو ہم مانتے ہیں کہ تصوف کی گلی میں یہ خوب ہوتا ہے۔ لیلیٰ مجنوں۔ یہ شراب اور زلفیں اور عشق و مستی تو اس کوچے کے معروف الفاظ ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ یہ الفاظ عمل کے میدان میں استعمال بھی ہوتے ہوں گے، تو ذرا دیکھئے اب یہ الفاظ۔

دیکھ لیلیٰ تیرے مجنوں کا کلیجہ کیا ہے
خاک میں مل کے بھی کہتا کہ بگڑا کیا ہے
تیری زلفوں نے مجھے ایسا نشہ کر ڈالا
ورنہ ساقی ترے مئے خانے میں رکھا کیا ہے
یہ صراحی شراب کی لے کر میرے پاس نہ آ
میں شرابی ہوں، میں شرابی ہوں، شرابی کا بھروسا کیا ہے

جیہڑے نشہ عشق وچ رہندے
اوہ اناالحق وی کہندے
ہس سولی تے چڑھ جاندے

تاں بن گئے مست قلندر
حق حق دما دم مست قلندر

جیہڑے نشہ عشق وچ رہندے
اوہ اناالحق وی کہندے

دیکھ لیجئے! یوں بنتا ہے مست قلندر...... اور قلندر بننے کے اس انداز پر کوئی اعتراض کرے تو جواب آسان ہے کہ وہ شریعت کے ماننے والے ہیں اور ہم طریقت کو ماننے والے۔ یہ اہل ظاہر ہیں اور ہم اہل باطن۔ یہ ہمارے بھید ہیں۔ان کے بارے میں مت پوچھیے ۔

چپ رہ عبدالستارا
ایہہ بھید ہے بہت نیارا
چپ، چپ، چپ ، چپ

اور پھر وہ فضول بکواس چمٹوں اور ڈھولوں کی تھاپ پر کہ جس کا کوئی مطلب نہیں......جی ہاں! یہ بھی طریقت کا کوئی انداز ہوگا، اہل باطن کا کوئی بھید ہوگا، ممکن ہے اس کے سننے سے جذب و مستی کی منزلیں ذرا جلدی طے ہو جائیں۔ ذرا سنئے تو............

ثانی گا یاما پادے سا
راسی گاما پادانی سارے رے سا سا
رے سا سا سا رے سا سا رے سا سا
رے رے سا سا سا سا نی نی نی
کاگا کا گا یایا یا یا سا ما ما ما
ما ما ما نی

رے رے رے سا سا ثانی
گا گا رے رے اے سارے
سا سا رے سا
نی نی نی دا دا یا یا یا ما ما ما ما

اہل باطن کا منبع:

شیعیت اور باطنیت نے کس کس انداز سے اہل سنت میں سرایت کرگئی ہے؟ اب قاری چشتی کی قوالی کا آخری منظر ملاحظہ ہو۔ وہ کھل کر اپنی شیعیت اور رافضیت کو بیان کرتا ہے۔

علی شاہ امم۔علی بحر کرم
علی نبوی علم۔علی غم دی مرہم
علی رب دی قسم۔علی حق دا علم
علی گوہر عاشق رب دا
نیک نسل دا، اورنور صرف دا، خواجہ قنبر
دین دا عنبر، حق دا چمبر، زلف معمر
ویر پیغمبر، اول نمبر، نبی براور، فخر سکندر
حیدر، صفدر، شیر، بندہ پرور
سید سرور، اظہر، مظہر، اطہر، اکبر
مرد مظفر، شیر غضنفر، صاحب تلاوت
پنج نعرے پنج تنی
اک نعرہ حیدری
مست قلندر

اسی طرح وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نمبر ون اور سپر ون بھی کہتا ہے۔

علی علی کہن والے:

قارئین کرام! یہ نعرے مار کر اب اس کا اگلا انداز دیکھئے، وہ نمازوں، سجدوں کا مذاق اڑاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تو علی کے گھر کی چیزیں ہیں، لہٰذا انہیں کیا بجالانا......تو! بس علی علی کہے جا......ولی بن جائے گا۔ سنیں۔

نمازیں پڑھے جا، اذانیں دیے جا
سجدوں پہ سجدے کیے جا
نمازیں اسی کی اذانیں اسی کی
جسے پنجتن کا گھرانہ ملا ہے

علی علی پکار دا جگ سارا
پر علی کہن دا مینوں نہیں ول آیا
جنہوں ول آیا اوہو ولی ہویا
علی کے نام سے دل کو سکون ملتا ہے
انہی کے گھر سے حق کا قانون ملتا ہے
اس علی کا میں ہر دم ذکر کرتا ہوں
کہ جس علی کا محمد سے خون ملتا ہے

علی دم دم دے اندر
قنبر نام علی وچ اینیاں نیں طاقتاں
علی علی کہن والے ولی بن جاندے نیں
علی دم دم دے اندر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴾ (الرعد: ۲۸)

''خبردار ہو جاؤ! دل کو سکون اللہ کے ذکر سے ملتا ہے۔''

مگر قوال کہتا ہے کہ نہیں دل کو سکون علی کی یاد سے ملتا ہے......اور جہاں تک ان کے گھر سے حق کے قانون ملنے کی بات ہے تو آیئے! دیکھیں، وہ گھرانا کونسا ہے؟ جہاں سے حق کا قانون ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سورۃ احزاب میں دو بار ''یانساء النبی'' اے نبی ﷺ! کی بیویو! کہہ کر مخاطب فرماتے ہیں اور پھر حکم دیتے ہیں:

﴿ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ﴾ (الاحزاب: ۳٤)

''اور جو تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات سے تلاوت کیا جاتا ہے، اسے یاد کرو اور دانائی کو بھی (یاد کرو)۔''

اسی طرح ''مستدرک حاکم'' اور ''ابن ابی شیبہ'' میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''نبی اکرم ﷺ پر وحی نازل ہوئی اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ یہ جبریل ہیں اور مجھے تم تک سلام پہنچانے کو کہتے ہیں اور میں نے جبریل کو دیکھا، جبکہ میرے علاوہ نبی اکرم ﷺ کی کسی زوجہ نے انہیں نہ دیکھا۔''

اے قوال......ذرا آنکھ کھول! رب کا قرآن بھی کہہ رہا ہے اور حدیث کی کتابیں بھی کہہ رہی ہیں کہ حق کا قانون ......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں نازل ہوتا تھا۔ لہٰذا! ہم تجھے بتلائے دیتے ہیں کہ تو گھر بھول گیا ہے اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خون اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ملنے کی بات تو نے کی ہے تو تجھے اپنی غلط فہمی دور کر لینی چاہیئے کہ حضرت علی کا جو بھی بلند مقام ہے، وہ ایمان کی وجہ سے ہے، رشتے ناتے سے نہیں ہے کیونکہ اللہ نے فرمادیا:

﴿ اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَاللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ ﴾ (الحجرات : ۱۳)

''بیشک اللہ کے ہاں تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔''

تو اللہ کے دین میں عزت ومنزلت دینداری میں ہے نہ کہ خون ملنے میں۔ اگر تیرے ہاں فضیلت کی یہی بنیاد ہے تو حضرت نوح علیہ السلام کا جو بیٹا تھا، وہ جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبر کا خون تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اسے سیلاب کے عذاب میں غرق کردیا۔ پیغمبر باپ نے اپنے خون کے بارے میں بات کی تو اللہ تعالیٰ نے سختی سے تنبیہ فرمادی کہ ایسے غلط کار کے متعلق مجھ سے بات کیوں کی ہے؟

اور یہ حضرت آسیہ ہیں، ان کا خاوند فرعون ہے، وہ موسیٰ علیہ السلام پہ ایمان لے آئیں تو رب نے اس کی عظمت کا تذکرہ قرآن میں کردیا۔

تو بات یہ ہے کہ یہاں عظمتیں ایمان اور عمل صالح کی بنیاد پر ملتی ہیں نہ کہ خاندانی رشتوں ناتوں کی بنیاد پر۔ لہٰذا اے قوال! تو نے گھر کا پتا لگانے میں ٹھوکر کھائی اور فضیلت کا معیار بنانے میں بھی اپنے پیر کی ''موچ'' نکلوالی......

علی کی یاد ہی اصل عبادت ہے:

غرض اس قوال کی طرح اس کی ایک ہم عقیدہ عابدہ پروین قوالن کہتی ہے ؎

میں کی دساں شان علی دی
عین عبادت یاد علی دی
علی مولا، علی مولا، علی علی

اور عزیز میاں قوال اللہ کے ذمے ایک بات لگا کر یوں قوالی کہتا ہے یعنی اللہ...... بندوں سے کہتا ہے ؎

میرے خزانے میں وحدت ہی وحدت
اس کے سوا کیا ہے

جا لینا ہے اگر تجھ کو
تو لے لے محمد سے
محمد نہ دیں گے
تو پھر کون دے گا
جنت مجھے ملے نہ ملے

اللہ کی پناہ اس کفر سے، کہ اب اللہ بھی اعلان کر رہا ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے، لہٰذا میرے در سے چلے جاؤ کیونکہ میرے پاس تو وحدت ہی وحدت ہے۔ اسی بات کو ایک بریلوی شاعر اس طرح بیان کرتے ہیں:

خدا کے پلڑے میں سوائے وحدت کے پڑا کیا ہے
ہم نے جو کچھ لینا ہے لے لیں گے محمد سے

اور وحدت بھی کیسی ہے؟ صوفیوں کے ہاں وہ وحدت بھی ''وحدۃ الوجود'' والی ہے، کہ جس میں ہر شے خدا ہے۔تو ایسی وحدت بھی کس کام کی۔ چنانچہ اللہ کے پلے تو ''نعوذ باللہ'' پھر کچھ بھی نہ رہا!

لوگو! یہ وہ کفر ہے، یہ اللہ کی وہ توہین اور گستاخی ہے، جو قوالیوں کی صورت میں مقدس بنا کر سنائی جاتی ہے، مگر اسے سننے والو! یہ یاد رکھ لو! یہ جو دنیا بھر کے صوفی ہیں، یہ جن کو تم ولی کہتے ہو، اگر تو یہ ''وحدۃ الوجودی'' تھے تو اللہ ہی جانتا ہے کہ قبر میں ان کا حشر کیا ہوگا ؟ اور ہم بات کرتے ہیں ان ولیوں کی جو قرآن وحدیث کے حاملین تھے۔ یہ ولی اگر آسمان کے تاروں اور ریت کے ذروں کی تعداد میں بھی اکٹھے ہو جائیں تو تب بھی اللہ کے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان، آن اور مقام تک پہنچنے سے تو رہے ......اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں تو ان کے بارے میں عیسائی لوگ حد سے بڑھ گئے۔انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہہ دیا، مرادیں انہی سے مانگنے لگے، فریادیں انہیں سے کرنے لگے، اپنا داتا، کرنی والا انہی کو

سمجھنے لگے۔ وہ یہ بھی عقیدہ رکھنے لگے کہ وہ سولی بھی چڑھے ہیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا مشکل کشا بھی کہنے لگے۔تب اللہ نے اس انداز سے ان کو متنبہ کیا:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًااِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِيْ الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ (المائدہ : ۱۷)

''ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے یہ کہا کہ بے شک وہ مریم کا بیٹا مسیح ہی تو اللہ ہے۔ میرے نبی کہہ دو! کہ اگر اللہ چاہے کہ مسیح کے بیٹے مریم،اس کی ماں اور جو لوگ بھی زمین میں ہیں، سب کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرلے تو کون ہے؟ جو اللہ (کے اس کام) میں کچھ بھی اختیار رکھے (حقیقت یہ ہے) کہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، اس کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔''

عیسائیوں نے بھی یہ عقیدہ بنا لیا تھا کہ اللہ مسیح میں حلول کرگیا ہے، وہ اس میں جذب ہوگیا ہے، عیسیٰ علیہ السلام کی ماں میں بھی وہی ہے۔ پھر وہ مزید آگے بڑھے، اس عقیدے کی بنیاد پر ان کے ولی بنے اور سینٹ (Saint) کا معنی ولی ہی تو ہوتا ہے اور سینٹ پال ان کا سب سے بڑا ولی تھا پھر یہی وہ ولی تھے جنہوں نے کہا:

﴿ نَحْنُ اَبْنَآءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ﴾ (المائدہ : ۱۸)

''ہم سب اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔''

اسی ڈگر پر آج یہ مسلمان صوفی چلے ہیں اور اس قدر آگے بڑھ گئے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ سے بڑھا دیا ہے۔ حضرت علی کی عبادت شروع کردی، قلندروں میں اللہ کو اتار لیا، پھر سب مل کر کہنے لگے کہ ہم میں بھی اللہ ہے...... جب کہ قرآنی حکم کے

مطابق اللہ کہہ رہا ہے:

اے عیسائی صوفیو!......اس طرح کے دعوے کرنے والو! میں چاہوں تو عیسیٰ علیہ السلام ان کی والدہ اور ان سب لوگوں کو جن کی تم پوجا کرتے ہو، سب کو ہلاک کر ڈالوں ......اور کون ہے جو مجھ سے پوچھ سکے؟

اس آیت کی روشنی میں گویا اللہ آج بھی مخاطب ہیں اور کہہ رہے ہیں:

اے مسلمان صوفیو! قوالو! میں چاہوں تو اپنے رسول کو، علی کو اور وہ ولی اور قلندر جو تم نے بنا رکھے ہیں، سب کو ہلاک کر ڈالوں، تو کون ہے؟ جو میرے کام میں دخل اندازی کر سکے؟ ساری کائنات میری فرمانبردار ہے اور میں ہر شئے پر قادر ہوں ......اور قیامت کا وہ منظر بھی یاد کرلو! اور یہ منظر سورہ مائدہ کے آخری دو رکوعوں میں ملاحظہ کرلو......کہ جب اللہ تمام رسولوں کو اکٹھا کرے گا۔ ان سے پوچھے گا کہ: ''تمہیں کیا جواب دیا گیا تو وہ کہیں گے: ہمیں نہیں معلوم بلا شبہ آپ ہی غیبوں کے جاننے والے ہیں۔''

تب اللہ اپنا روئے سخن عیسیٰ علیہ السلام کی طرف کرلیں گے اور پوچھیں گے:

''اے مریم کے بیٹے عیسیٰ اپنے آپ پر اور اپنی والدہ پر ذرا میری نعمتوں کو یاد کرو کہ جب میں نے جبریل کے ساتھ تمہاری مدد کی۔ تم نے جھولے میں گفتگو کی، میں نے تجھے کتاب وحکمت اور تورات وانجیل کا علم دیا۔ پھر جب تو مٹی سے پرندے جیسی مورت میرے حکم سے بناتا، پھر تو اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا۔ میرے حکم سے تو مادر زاد اندھوں کو بینا کرتا، کوڑھیوں کو تندرست کرتا۔ میرے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا تھا۔ پھر یہود کے ہاتھ تیری طرف بڑھے تو میں نے انہیں روکا، پھر جب یہود نے تجھے جھٹلا کر جادوگر کہہ دیا، تو میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ میرے ساتھ اور میرے رسول عیسیٰ علیہ

السلام پر ایمان لاؤ، تو وہ ایمان لا کر مسلمان ہو گئے۔ پھر تم نے آسمان سے کھانے کے دستر خوان اتارنے کی بات کی تو میں نے کہا: میں اسے ابھی تم پر نازل کرنے والا ہوں!''

یہ تھے میرے انعامات اور اکرامات کی بارشیں ......اور اب بتلاؤ؟

''اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ دو الہ (کرنی والے، مشکل کشا، غوث اور دستگیر و داتا) بنالو۔ تب عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے:

''آپ تو بڑے مقدس ہیں، مجھے کیسے زیبا ہو سکتا ہے کہ میں ایسی بات کہوں کہ جس کے میں لائق ہی نہیں۔ اگر میں نے ان کو (ایسی بات) کہی تھی تو آپ اسے جانتے ہیں (کیونکہ) جو میرے دل میں ہے، آپ اسے جانتے ہیں اور جو آپ کے جی میں ہے، میں اسے نہیں جانتا۔ بلا شبہ آپ اور فقط آپ ہی تو غیبوں کے جاننے والے ہیں۔ میں نے تو انہیں وہی بات کہی جس کا آپ نے مجھے حکم دیا (وہ یہی تھی) کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی پالنہار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے اور میں جب تک ان میں موجود رہا، ان کی نگرانی کرتا رہا پھر جب تو نے مجھے بلا لیا تو تو ہی ان پہ نگہبان تھا اور سب چیزیں تیرے سامنے ہیں۔''

لوگو! آگاہ ہو جاؤ۔ جب اللہ سب پیغمبروں کی طرف روئے سخن کرے گا اور سب پر جو جو انعامات کیے ہیں، وہ جتلائے گا تو سب کا جواب اسی طرح ہوگا جس طرح کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ چنانچہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پجاری اسی وقت دھر لیے جائیں گے......اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بندگی کرنے والے بھی دھر لیے جائیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کرنے والے، انہیں مشکل کشا ماننے والے بھی، اسی لمحے دھر لیے جائیں گے۔ اور یہ جو ''وحدۃ الوجودی''

صوفیا ابدال، قطب و قلندر ہیں ......ان کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ......اپنے پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے یوں اعلان کرواتے ہیں:

''اس اللہ کے علاوہ جن کی تم بندگی کرتے ہو، نرے نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں جبکہ اللہ نے ان کیلیے کوئی دلیل نہیں اتاری (آگاہ ہوجاؤ) اللہ کے علاوہ کسی کی حکومت نہیں ہے۔'' (یوسف: ۴۰)

یعنی یہ غوث، قلندر، قطب، قیوم اور ابدال اور اوتاد وغیرہ جو تم نے نام رکھ لیے ہیں۔ یہ تم نے خود ہی رکھے ہیں اور ان کو اختیارات سونپ رکھے ہیں تو ان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں، سب حکومت اللہ ہی کی ہے۔

اور آگاہ ہوجاؤ! اگر اس صوفیانہ گورکھ دھندے میں وحدۃ الوجود ایسے فضول الجھاؤ میں اگر یہ تمہارے ولی حضرات بھی الجھے رہے، کتاب وسنت سے دور رہے اور تم بھی ان کے پجاری رہے تو......اللہ نے سورۃ البقرہ میں اور دوسرے مقامات پر واضح کردیا ہے کہ پھر یہ گمراہ پیر اور مرید سب ایک ہی جگہ دھکیل دیے جائیں گے اور جہاں تک اہل توحید کا تعلق ہے، اللہ تعالیٰ انہیں اپنے پیارے رسول ﷺ کی زبانی اپنی عظمت و کبریائی کے اعلان کرنے کا یوں درس دیتے ہیں فرمایا:

﴿ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًاوَلَمْ یَكُنْ لَّهُ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهُ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ﴾ (الاسراء: ۱۱۱)

''میرے نبی کہہ دو! سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ بادشاہی میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی دوست ہے اور خوب بڑھ چڑھ کر اسی کی بڑائی بیان کرو۔''

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ
اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

فارسی قرآن
اور مولانا روم

قبروں اور سارنگیوں کے درمیان

میں ترکی کے شہر قونیہ میں پہنچا اور جب دربار کے اندر داخل ہوا تو کئی چھوٹی بڑی قبریں دکھائی دیں۔ ان قبروں میں جو سب سے بڑی قبر تھی، وہ مولانا جلال الدین رومی کی تھی۔ اس پہ لکھا ہوا تھا:

"یا حضرت مولانا"

مولانا کی قبر باقی قبروں میں سب سے بڑی اور عالی شان تھی۔ سر کی جانب سے قدرے بلند اور پاؤں کی جانب سے پست تھی۔ سر کی جانب ایک بڑا سا عمامہ رکھا ہوا تھا، جس کے درمیان لکڑی کا ایک موٹا سا ڈنڈا تھا، جو سر کے مشابہ تھا، دربار پہ لوگ آنے لگے۔ عورتیں اور بچے بھی آ رہے تھے۔ سلام کر کے جا رہے تھے۔ کئی قبروں پہ ہاتھ لگا کر بطور تبرک اپنے جسم پر پھیر رہے تھے۔ دعائیں اور مناجاتیں جاری تھیں۔ ایک شخص مولانا رومی کی قبر کے پاس نماز پڑھ رہا تھا اور اس کا رخ بھی قبلہ کی بجائے مولانا کی قبر کی طرف تھا۔ مولانا رومی کی قبر جس ہال میں ہے، یہ تین حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصے میں قبریں ہیں اور یہ ہال کے نصف حصے میں ہیں۔ باقی نصف حصہ مزید دو حصوں میں تقسیم ہے۔ ان میں پہلے حصے میں قرآن کے مخطوطات ہیں اور یہاں پر ہی مثنوی کے مخطوطات بھی ہیں۔ یہ مخطوطات سونے کے پانی کی چمک سے لکھے گئے ہیں۔ یہاں ایک تسبیح بھی موجود ہے۔ جس کے دانے 999 ہیں۔ ایک دانہ عام تسبیح کے دانے سے پانچ سات گنا بڑا ہے۔ میرے خیال میں یہ تسبیح آٹھ نو کلو سے کم نہ ہو گی۔ ایسی دو تسبیحاں تھیں جو یہاں سجا کر رکھی گئی تھیں۔

مولوی میوزک:

اس ہال کے آخری چوتھے حصے میں ''مولوی میوزک'' قائم کیا گیا ہے۔وہاں انگریزی میں لکھا ہوا تھا:

(Notice of the mevlevi music)

اس میوزک ہال کے وسط میں شیشے کے صندوقوں میں مولانا رومی کے جبے تھے اور وہ لباس تھا جسے وہ پہنا کرتے تھے۔مختلف قسم کے جبے تھے۔جو یہاں بڑے سنبھال کر رکھے گئے ہیں۔اس ''مولوی میوزک ہال'' کے چاروں طرف شیشے کی الماریاں ہیں۔ان الماریوں میں سارنگیاں تھیں......ڈھولکیاں تھیں......بین تھی اور طنبورہ تھا......ایک شخص کی ایک بڑی تصویر بھی بنا کر رکھی گئی تھی...... جو سارنگی بجا رہا تھا......تو یہ تھے مولانا رومی کے تبرکات جو مولانا رومی کے پیروکاروں کو دعوت دے رہے تھے۔کہ اس دربار سے واپس جاؤ تو تنبورہ خریدو......ڈھول کی تھاپ پہ ناچو......سرنگی کی کیں کیں پہ رقص کرو......اور بین بجا کر ولایت کی منزلیں طے کرو۔بہر حال۔۔۔۔ترکی میں سرکاری اور عوامی سطح پر جو سب سے بڑا صوفی بزرگ ہے،وہ یہی مولانا رومی ہیں۔اور جو سب سے بڑا پیر خانہ ہے،وہ بھی یہی دربار ہے، کہ جہاں ہر سال دھوم دھام سے عرس لگتا ہے۔اور ترکی میں ''فرقہ مولویہ'' کے لوگ مخصوص لباس پہن کر رقص کرتے ہیں۔ان کے اس رقص کو ''رقص مولوی'' کہتے ہیں۔اس رقص میں جب ڈھول بجتے ہیں،سارنگیاں اور بینیں بجتی ہیں تو ترکی کے نوجوان مردوں اور عورتوں کا رقص کیا گل کھلاتا ہے۔۔۔بس کچھ نہ پوچھیے۔۔۔اتنا ہم بتلائے دیتے ہیں کہ ''ولایت'' کی منزلیں بہت جلد طے ہو جاتی ہیں۔

مولانا رومی کے مرشد شمس تبریزی کے دربار میں:

مولانا رومی کے دربار سے نکلا تو اب میرا رخ مولانا رومی کے مرشد شمس تبریزی کی طرف تھا۔اب بازار اور مارکیٹیں کھل چکی تھیں۔سورج کی کرنوں نے سردی کو کافی کم کر دیا

تھا، مگر اس کے باوجود ٹھنڈی ہوا جو تیز چل رہی تھی، اس سے دانت بج رہے تھے۔ شمس تبریز کے دربار کا پوچھتے ہوئے میں پیدل چل رہا تھا۔ ایک بزرگ سے پوچھا تو وہ میرے آگے ہولیا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ دربار کے قریب جا کر اس نے اشارہ کیا اور سلام کہہ کر واپس مڑ گیا۔ اب میں دربار کے اندر چلا گیا۔ جب میں دربار کے اندر داخل ہوا۔ تو یہ مسجد کا ہال تھا۔ اور ہال کے ایک جانب شمس تبریز کی قبر تھی۔ ہال میں موٹے موٹے شاندار قالین بچھے ہوئے تھے۔ ہال کو گرم کرنے والی بخاری چل رہی تھی اور سارا ہال گرم تھا۔

تسبیاں، ٹوپیاں اور پگڑیاں:

میں بخاری کے پاس بیٹھ گیا اور جسم کو لگی سردی زائل کرنے لگا۔ ہال کی بالکونی سے ایک مجاور اترا اور ہال کی ہر چیز کو سنوارنے لگا۔ اب بڑی بڑی شلواریں پہنے، سر پہ رومال رکھے، ترک عورتیں بھی آنے لگیں، ان کے ہمراہ بچے بھی تھے۔ یہ قبر پہ آتیں، دعائیں مانگتیں اور واپس چلی جاتیں۔ کچھ خواتین مجاور کے پاس اوپر چلی جاتیں اور نذرونیاز دے کر نیچے اتر آتیں۔ بعض لوگ یہاں آئے۔ مسجد میں پڑی تسبیحاں انہوں نے اٹھائیں اور دربار پر ذکرو اذکار میں مشغول ہوگئے۔ ترکی کی مسجدوں میں تسبیحوں کا عام رواج ہے۔ ہر مسجد میں چاروں طرف تسبیحاں پڑی ہوتی ہیں۔ نماز کے وقت صفوں پر بھی نمازیوں کے سامنے رکھ دی جاتی ہیں، تاکہ وہ ان سے فائدہ اٹھائیں۔ جس طرح پاکستان میں مسجدوں کے اندر ٹوپیاں رکھنے کا رواج ہے، اسی طرح وسط ایشیا میں پگڑیاں رکھنے کا رواج ہے۔ یہاں ترکی میں ان چیزوں کے ساتھ ساتھ تسبیحاں رکھنے کا اضافی پروگرام موجود ہے۔ اب یہ مسجد تو دربار کی مسجد تھی، لہٰذا یہاں اس کا خصوصی اہتمام تھا۔

صاحب حال اور صاحب قال میں فرق:

مولانا رومی کے مرشد شمس تبریز کے حوالے سے ''مثنوی مولوی معنوی'' میں پیر اور

مرید دونوں کا ایک قصہ بیان کیا گیا ہے......کہ مولانا روم کسی حوض کے کنارے کتب بینی میں مصروف تھے۔وہاں شمس تبریز آگئے اور مولانا سے دریافت کیا کہ یہ کیا کتابیں ہیں؟ مولانا نے فرمایا: تمہیں ان کتابوں سے کیا غرض؟ اس پر شمس تبریز نے وہ کتابیں حوض میں پھینک دیں۔اس پر مولانا کو سخت رنج ہوا اور فرمایا: میاں درویش! تم نے ایسی چیزیں ضائع کر دیں جن میں نادر نکتے تھے اور اب ان کا ملنا محال ہے۔اس پر شمس تبریز نے وہ کتابیں خشک حالت میں حوض سے نکال کر مولانا کے سامنے رکھ دیں۔مولانا حیران ہوئے تو شمس تبریز نے کہا: یہ حال کی باتیں ہیں، تم صاحب قال کیا جانو؟......اس کے بعد مولانا روم شمس تبریز کے ارادت مندوں میں داخل ہوگئے۔

قارئین کرام......صوفی اپنے آپ کو صاحب حال کہتے ہیں اور کتاب وسنت کے حاملین کو صاحب قال کہتے ہیں۔اور پھر یہ صاحب حال لوگ۔اصحاب قال کو اپنے سے کمتر سمجھتے ہیں۔اور ان پر طنز کرتے ہیں، جیسا کہ مذکورہ بالا واقعہ میں بھی طنز موجود ہے کہ......''یہ حال کی باتیں تم صاحب قال کیا جانو''......قرآن وحدیث وہ وحی ہے کہ جسے اللہ نے جبریل کے ذریعہ اپنے پیارے رسول ﷺ پر نازل کیا۔اب اس وحی کو جو لوگ پڑھتے ہیں۔پڑھاتے ہیں اور عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

قال الله تعالىٰ وقال الرسول ﷺ

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اس کے رسول ﷺ نے فرمایا۔''

ان کو اصحاب قال کہا جاتا ہے۔

شیطانی الہام کی تباہیاں:

تو یوں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی باتوں کو حرز جان بنانے والوں کو صوفی لوگ طنز کرتے ہوئے ''اصحاب قال'' کہتے ہیں۔خود کو ''اصحاب حال'' اس وجہ سے کہتے ہیں کہ جب

قبروں میں چلہ کشیاں کر کے، یا صوفیوں کی قبروں پر چالیس چالیس دن بیٹھ کر، پھر ولائت کی بوٹیوں کے گھوٹے لگا کر انہیں پی کر جب آپے سے باہر ہوتے ہیں۔ ڈھول اور طبلے کی تھاپ پر رقص کرتے ہیں۔ تو ایسا حال پڑتا ہے کہ بے حال ہو جاتے ہیں۔ اسی حال میں ان پر الہام ہوتا ہے، جو سینہ بسینہ چلتا ہے تو یہ ہوتے ہیں صاحب حال لوگ۔ غرض اس حال میں ان پر جو الہام ہوتا ہے۔ یہ کہاں سے ہوتا ہے؟ یہ تو ان کے حال سے ظاہر ہے کہ کس کی طرف سے ہوتا ہے؟ ویسے اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے۔۔ ذرا ملاحظہ ہو!

وَاِنَّ الشَّيَاطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰى اَوْلِيَاءِ هِمْ

''اور بلاشبہ شیطان بھی اپنے ولیوں کی طرف وحی کرتے ہیں۔''

تو اب جو الہام (ان صوفیوں کو) ہوتا ہے۔ وہ کتاب وسنت سے مخالف باتیں ہوتی ہیں۔ عجیب وغریب قسم کی کرشمہ بازیاں اور طلسم سازیاں ہوتی ہیں۔ انہی کو لوگ کرامات ماننا شروع کر دیتے ہیں۔ تو یہ ہیں اصحاب حال اور اگر صاحب حال لوگوں کا یہ حال کوئی دیکھنا چاہے تو درباروں پہ جا کر دیکھ لے۔ ہمارے بیان کردہ حال سے کہیں بڑھ کر ہوگا، کم نہ ہوگا۔

قائین کرام! تو میں شمس تبریز کی قبر پر تھا، کہ جن کی کرامت نے جلال الدین رومی کو صاحب حال بنا دیا اور جناب رومی شمس تبریز کے مرید بن گئے۔

عربی قرآن اور فارسی قرآن:

میں ترکی سے واپس پاکستان آ گیا اور جب مولانا رومی پر لکھنے کا ارادہ کیا تو ضروری تھا کہ پہلے مولانا رومی کی وہ کتاب پڑھوں کہ جو انہوں نے صاحب حال بن کر لکھی۔ اپنے مرشد۔ شمس تبریز کی جدائیوں کے غم میں لکھی۔ چنانچہ میں نے یہ کتاب حاصل کی تو وہ تین ضخیم جلدوں میں تھی۔ ہر جلد کے دو دفتر تھے اور باریک لکھائی میں کل صفحات اڑھائی ہزار تھے............اب اسے پڑھنے کے لیے بھی وقت درکار تھا اور وہ وقت مل نہ رہا تھا...... آخر کار کشمیر، سرحد اور اسلام آباد کا چند روزہ دعوتی دورہ شروع ہوا، تو اللہ کا نام لے کر گاڑی کی پچھلی

سیٹ پر یہ کتاب لے کر بیٹھ گیا اور الحمدللہ چار دنوں میں محض اللہ کی توفیق سے میں نے ساری کتاب پڑھ ڈالی اور نوٹس بھی لے لیے۔ اس کتاب کا نام ہے ''مثنوی مولوی معنوی''

مولانا روم کا مختصر تعارف:

تاریخ کے مطالعہ اور ورق گردانی سے ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ مولانا جلال الدین رومی جو ایک بہت بڑے صوفی تھے، کی زندگی دو ادوار پر مشتمل ہے۔ ایک ان کے شریعت کے بہت بڑے عالم دین ہونے کا دور اور دوسرا طریقت کے رنگ میں رنگے ہوئے ایک صوفی کا دور۔ ان کی زندگی کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ وہ شریعت کی جگہ طریقت ہی کو اہمیت دیتے تھے۔ ان کی تصنیف کردہ مشہور کتاب جو مثنوی معنوی رومی کے نام سے بھی معروف ہے، اسی عشق کی تعلیم سے بھری پڑی ہے۔ مولانا روم اس عشق کے متعلق کہتے ہیں:

''اگر انسان کا دل ''عشق'' سے خالی ہے تو وہ انسان نہیں پتھر کا بت ہے اور اگر کوئی عشق سے تہی دامن ہے تو وہ محض راکھ کا ڈھیر ہے۔'' (حکایات رومی از طالب ہاشمی:۱۳)

انہوں نے اپنے ایسے خیالات کو اپنی کتاب مثنوی مولوی معنوی رومی میں قصے کہانیوں اور عجیب وغریب حکایات کی شکل میں پیش کر کے اپنے نظریات کی بھرپور تبلیغ کی ہے۔ اسی لیے مولانا روم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ سراپا عشق تھے اور ان کے کلام میں اول تا آخر عشق ہی کا پیغام ہے۔

بچوں کی سطح کے ان قصے کہانیوں حکایات و واقعات کو بیان کیوں کیا گیا؟ یہ آپ مولانا روم کی زبان سے سنیں، وہ کہتے ہیں:

''یہ قصص و حکایات نفس مضمون اور مقصود کلام نہیں ہیں بلکہ ان کی غرض و غایت یہ ہے کہ جو لوگ تصوف کے باریک مسائل اور روکھے پھیکے علمی مضامین کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، وہ ان دلچسپ حکایات کی کشش سے اس طرف توجہ دیں اور ان

کے کلام و پیغام کے متعلق اور حقیقت کو سمجھیں۔'' (حکایات رومی از طالب ہاشمی :۱۴)
مولانا روم کی شخصیت سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے جب ہم تاریخ پر طائرانہ نظر دوڑاتے ہیں تو ان کی کچھ اس طرح کی تصویر ہمارے سامنے آتی ہے۔
مولانا روم کے والد کا نام محمد، لقب بہاؤ الدین اور وطن بلخ تھا۔ بہاؤ الدین کے والد سلطان محمد خوارزم شاہ سے خطرہ محسوس کرتے تھے۔ اس لیے انہوں نے بلخ سے ہجرت کی اور بغداد آ گئے۔ اس وقت پورے عالم اسلام میں خانقاہی اور طریقت و عشق کا نظام مقبول تھا۔ لوگ قرآن و حدیث کی شفاف تعلیمات کو چھوڑ کر (قبوری نظام) تصوف کو اپنائے ہوئے تھے۔ تصوف کی اس لہر سے متاثر ہو کر ایشائے کوچک کے سلجوقی حکمران علاؤ الدین کیقباد نے مولانا روم کے والد کو اپنے پاس بلا لیا۔ یہاں ان کو بہترین محل نما مکان مع خدام اور ہر طرح کے عیش و آرام کے لوازمات مہیا کر دیے گئے۔

تعلیم و تربیت:

مولانا روم نے ابتدائی تربیت اپنے والد صوفی بہاؤ الدین ہی سے حاصل کی۔ پھر ان کے والد نے مولانا کو اپنے مرید صوفی برہان الدین کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے مولانا کو چند سال کے عرصہ میں سری علوم پڑھا دیے۔
والد کی وفات کے بعد مولانا شرعی تعلیم حاصل کرنے کے لیے روم، حلب اور دمشق گئے۔ کئی برس تک وہاں رہ کر تحصیل علم کرتے رہے۔ یہاں تک کہ قرآن، حدیث منطق، فلسفہ وغیرہ اور دوسرے تمام علوم میں درجہ کمال تک پہنچ گئے۔ تکمیل علم کے بعد مولانا جب وطن واپس لوٹے تو ان کے پرانے استاد اور والد کے مرید صوفی برہان الدین بھی اپنے وطن ترمذ کو خیر باد کہہ کر قونیہ میں مولانا صاحب کے پاس مستقل آ گئے اور یہیں رہنے لگے۔
صوفی برہان الدین کا ترمذ سے قونیہ میں مولانا روم کے پاس مستقل طور پر آ جانا۔ تاریخ میں یہی وہ ابتدائی موڑ ہے کہ جب مولانا کو قال اللہ اور قال الرسول کی جگہ حدثنی قلبی، حدثنی

نفسی، کا درس دیا گیا۔ اور قرآن و حدیث کی لاریب تعلیمات کو پس پشت ڈال کر طریقت و معرفت کی وادی میں داخل ہونے کا نقطہ آغاز بنا۔ لہٰذا صوفی برہان الدین نے قرآن و حدیث کے اس طالبعلم مولانا روم کو 9 برس تک طریقت و تصوف کی مۓ دو آتشہ کے جام پہ جام پلائے اور تصوف و طریقت اور معرفت کی باطنی تعلیم کچھ اس طرح دی کہ اس وقت تک پڑھے جانے والے شریعت کے علوم ان کی عملی زندگی اور دل و دماغ سے جاتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ لیکن اس کے باوجود ان پر ظاہری علوم قرآن و سنت کا رنگ غالب رہا۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ وہ ابھی تک سماع سے مکمل پرہیز کرتے تھے۔ اور اپنا اکثر وقت درس و تدریس، وعظ و ہدایت دعوت دین اور فتویٰ نویسی میں صرف کرتے تھے۔ ...... تا آنکہ ان کی زندگی میں ایک دوسرا دھماکہ خیز واقعہ رونما ہوا کہ جس نے ان کو قال اللہ اور قال الرسول کی دلنواز فضاؤں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکال دیا۔ یہ واقعہ تھا شمس تبریزی سے ملاقات کا واقعہ۔

شمس تبریز سے ملاقات:

کتب تصوف کی ورق گردانی سے پتا چلتا ہے کہ 642ھ میں ایک دن مولانا روم ایک حوض کے کنارے بیٹھے تھے کہ ایک خستہ حال صوفی (شمس تبریز) سے ان کی ملاقات ہوئی۔ مولانا کے سامنے احادیث، تفاسیر اور دیگر علوم و فنون کی کتب کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ شمس تبریز نے مولانا سے پوچھا: یہ کتابیں کیسی ہیں؟ مولانا نے جواب دیا کہ ''چیزے است کہ تو نمی دانی۔ (کہ یہ وہ چیز ہے جس کا تجھے علم نہیں) ...... اس پر اس صوفی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ سب کتابیں تالاب میں پھینک دیں......!!

بہرحال یہاں سے خستہ حال صوفی اور آپ کے درمیان تعلقات بڑھنے لگے...... اور جوں جوں تعلقات بڑھتے گئے مولانا کی زندگی کا ایک دوسرا اور نیا دور پہلی زندگی کے بالکل برعکس شروع ہوتا گیا۔ اس لیے کہ صوفی شمس تبریز فرقہ باطنیہ سے تعلق رکھتا تھا اور مولانا کو

قرآن وحدیث کی جگہ باطنیت کی تعلیم دے رہا تھا۔ کچھ عرصہ بعد مولانا روم مکمل طور پر اس کے شکنجے میں پھنس چکے تھے۔ ان کے دعوت دین کے حلقے اور حدیث رسول کی مجلسیں اجڑ گئیں۔ مطالعہ ختم ہوگیا۔ کتب احادیث وتفاسیر سے اجنبیت کا سا معاملہ ہوگیا۔ عبادات سے غفلت اور رھبانیت دن بدن غالب آنے لگی۔ باطنی تعلیم، صوفیوں کے توحید شکن عقائد و واقعات، روایات و حکایات ان کے لیے حرز جان بنتے چلے گئے۔ فتویٰ نویسی اور لوگوں سے میل جول یکسر ختم ہوگیا۔ اس تبدیلی سے قبل قرآنی آیات اور سنت رسول عربی ذہن نشین ہونے کی بنا پر وہ ''سماع'' گانے بجانے، رقص وسرود سے مکمل طور پر پرہیز کرتے تھے مگر اب ان کو اس کے بغیر ایک پل بھی چین نہ آتا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس قدر محبت کرنے والے عوام سے انہوں نے ملنا جلنا اور بات کرنا بالکل ختم کردیا بلکہ اب وہ باطنی صوفیوں کے الٹے سیدھے چلّے کاٹنے میں مصروف ہوگئے۔ ایک روایت کے مطابق ایک دفعہ وہ 6 ماہ تک مسلسل چلہ کاٹتے رہے اور ان 6 ماہ کے دوران ان کے مرید خاص صلاح الدین زرکوب کے سوا کسی آدمی کو چلہ گاہ (حجرہ) میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔

عوام کو جو روزانہ حلقے قائم کرکے مولانا سے ''قال اللہ و قال رسول اللہ'' کی دلنواز صدائیں سنتے تھے۔ مسائل پوچھتے تھے، فتوے لیتے تھے، زندگی کے ہر معاملہ میں ان سے رہنمائی اور مشورے لیتے تھے۔...... ان لوگوں کو مولانا روم کی اس مجنونانہ صوفیانہ اور عجیب و غریب شریعت سے متصادم زندگی سے اور ان کے حال میں اس تغیر وتبدیلی پر بہت دکھ اور رنج ہوا۔ تحقیق کے بعد جب ان کو پتا چلا کہ مولانا کو کتاب وسنت کے راستے سے پیچھے ہٹانے والا ایک صوفی شمس تبریز ہے تو وہ صوفی شمس کے پیچھے لگ گئے تاکہ اس کو ایک عالم دین کو گمراہ کرنے اور راہ راست سے ہٹانے کا سبق سکھائیں۔

جب شمس تبریز کو پتہ چلا تو وہ مولانا روم کو یہیں چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لیے دمشق بھاگ گئے۔

اس کے بعد مولانا روم اپنے سابقہ مشرب شریعت کی طرف واپس تو نہ آ سکے جیسا کہ امید کی جا رہی تھی، نہ حدیث رسول کی مجالس بپا ہو سکیں بلکہ انہوں نے صوفی شمس کی یاد میں کھانا پینا اور خواص مریدوں سے بھی ملنا جلنا اور بات کرنا چھوڑ دیا اور پھر انہوں نے اپنے بیٹے سلطان کو ایک ہزار سرخ دینار دیکر بعض لوگوں کے ہمراہ دمشق میں صوفی شمس کے پاس بھیجا۔ آپ کے بیٹے دمشق گئے اور ایک ہزار کا نذرانہ ہدیہ کر کے صوفی صاحب کو اپنے ساتھ قونیہ لے آئے۔

قونیہ آتے ہی صوفی شمس نے اپنا پرانا کام دوبارہ شروع کر دیا......جس کا نتیجہ بالآخر یہ نکلا کہ مولانا روم نے شریعت کو خیر باد کہہ کر صوفیوں کی باطنی تعلیمات کو ہمیشہ کے لیے اپنا لیا۔ اب وہ ناچنے گانے اور رقص کرنے لگے۔ اب ان کو سماع کے بغیر اک پل چین نہ آتا تھا۔ ایک روایت کے مطابق ایک دفعہ صلاح الدین زرکوب اپنی دوکان میں ہتھوڑی کی مدد سے چاندی کے ورق کوٹ رہے تھے کہ مولانا روم دوکان کے سامنے سے گزرے۔ ہتھوڑی کی آواز نے ان پر سماع کا سا اثر کیا اور وہ بے خود ہو کر وہیں بھرے بازار میں، لوگوں کے سامنے ہی، ہتھوڑی چلنے کی آواز پر رقص کرنے لگے اور اس طرح وہ کئی گھنٹے رقص کرتے رہے۔ پھر یہ دیکھ کر شیخ زرکوب دوکان سے باہر نکل آئے۔ مولانا روم ان سے بغلگیر ہو گئے اور عالم خودی میں دن ڈھلنے تک (یعنی شام تک) یہ شعر پڑھتے رہے:

یکے گنج پدید آمد در آں دکان زر کوبی
زہے صورت، زہے معنی، زہے خوبی، زہے خوبی

عام لوگوں اور مولانا روم کے حقیقی بیٹے علاؤ الدین محمد کو بھی اپنے باپ کے ان اعمال اور تبدیلی حال کا بہت دکھ اور غم تھا۔ چنانچہ مولانا کے بیٹے اور قونیہ کے بعض لوگوں نے مل کر، باہم صلاح مشورہ کے بعد صوفی شمس تبریز کو ٹھکانے لگانے کا پروگرام بنایا اور پھر ایک دن اپنے مجوزہ پروگرام پر عمل کرتے ہوئے لوگوں نے صوفی شمس تبریز کو قتل کر دیا اور نعش غائب

کردی۔ جب مولانا روم کو اپنے بیٹے کے اس پروگرام میں شامل ہونے کا علم ہوا تو وہ اس سے سخت ناراض ہوگئے اور اب وہ اس کی شکل دیکھنے کے بھی روادار نہ تھے۔

شمس تبریز کی موت پر مولانا نے ان کی یاد میں ایسی ایسی مبالغہ آمیز غزلیں لکھیں کہ ان کو پڑھ کر ایک عام آدمی یہ سمجھتا ہے کہ جس کی اس قدر تعریف وتوصیف کی جارہی ہے وہ کس قدر جلیل القدر اور پہنچا ہوا ولی ہوگا!! اور یہ حقیقت ہے کہ مثنوی پڑھ پڑھ کر لوگوں کے ذہن میں اس باطنی صوفی کا تصور بھی ایک بہت بڑے ولی کا بن چکا ہے۔

قارئین کرام! اندازہ لگائیں ...... اس صوفی سے ملاقات سے قبل یہی وہ مولانا روم تھے کہ جن کو شریعت کے حامل ہونے کی صورت میں سجدوں میں کانک تراہ کے تحت اللہ کی محبت کی لذت محسوس ہوتی تھی لیکن اب طریقت کے پھندے میں پھنسنے اور باطنی مذہب اختیار کرلینے کے بعد ان کو ہر ہر چیز ہی اللہ نظر آنے لگی۔ اللہ ہی لگنے لگی۔

بہرحال ہم تو وہ عجب داستان قارئین کو سنارہے تھے کہ جس نے مولانا روم کو ''مولانا'' سے ''صوفی'' اور ''صاحب قال'' سے ''صاحب حال'' بنا دیا۔ صوفی شمس صاحب کی وفات کے بعد مولانا روم نے صوفی صلاح الدین زرکوب کو اپنا خلیفہ، ہمراز اور مرید خاص بنا لیا۔ اب مولانا کی زبان پر ہر وقت جاری رہنے والے قیل وقال کی جگہ شعر وسخن اور گفتگوئے رقص وسرود نے لے لی تھی۔ اس کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب صلاح الدین زرکاب فوت ہوئے تو مولانا بچوں کی طرح دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور جنازے پر تو انہوں نے باقاعدہ قوالوں کا انتظام کررکھا تھا!!!

قارئین کرام! آپ سوچتے ہوں گے کہ جنازے پر قوالوں کا کیا کام؟ تو عرض ہے کہ یہ شریعت کے مقابل طریقت کی ایک نرالی ادا تھی جو مولانا روم نے اپنائی کہ جنازے پر قوالوں سے سماع کرواتے جائیں اور میّت کی چارپائی لے کر لوگوں کے ساتھ قبرستان کی طرف بڑھتے جائیں۔ چنانچہ جب مولانا روم کی نگرانی میں صوفی صلاح الدین کا جنازہ اٹھا تو

قوالوں کی ایک دو نہیں بلکہ پوری آٹھ جوڑیاں میت کی چارپائی کے آگے آگے گلے پھاڑ کر قوالی کر رہی تھیں اور مولانا تھے کہ عالم وجد میں اس کے ساتھ جا رہے تھے اور قوال تھے کہ انہوں نے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔ صاف ظاہر ہے جہاں سماع ہو رہا تھا وہاں رقص بھی ہو رہا ہوگا۔

اس وفات کے بعد مولانا روم نے ایک صوفی جن کا نام صوفی حسام الدین چلپی ہے۔ کو اپنا مرید خاص بنالیا۔ یاد رہے کہ یہ وہی حسام الدین ہیں کہ جن کا ذکر بڑے اچھے پیرائے میں مثنوی میں جا بجا ملتا ہے۔

672ھ میں جب مولانا روم بیمار ہوگئے تو انہوں نے اپنی اولاد کی بجائے مرید خاص حسام الدین جو مشہور صوفی ابن عربی کے شاگرد بھی تھے، کے حق میں وصیت کی کہ میری جگہ حسام الدین سنبھالے۔ وصیت کرنے کے بعد 5 جمادی الثانی 672ھ کی شام کو مولانا رومی فوت ہوگئے۔

مولانا روم کے جنازہ پر ایک بار پھر اس سے بھی بڑا حیران کن منظر سامنے آیا جوان کے مرید صوفی صلاح الدین زرکوب کے زمانے میں نظر آیا تھا۔ یعنی اب مولانا کی باطنی تعلیمات کے مطابق میت قبرستان لے جائی جا رہی تھی ...... اور اس کے آگے آگے ...... اور ساتھ ساتھ ...... قوالوں کی بیس جوڑیاں .... قوّالی میں مشغول قبرستان کی طرف بڑھ رہی تھیں ...... اور ساتھ حفاظ کرام بھی تھے جو آیات قرآنی کا ورد کر رہے تھے ...... عجب امتزاج تھا یہ۔ باطنی مذہب میں، قوال کی قوّالی اور قرآن کی تلاوت کا ....

وفات کے بعد ان کے مرید خاص صوفی حسام الدین خلیفہ اور گدی نشین بنے۔ پھر مولانا کے بیٹے سلطان جواب خود بھی صوفی بن چکے تھے۔ خلیفہ اور گدی نشین بنے۔ سلطان کے بعد چلپی عابد تصوف کی گدی پر جلوہ افروز ہوئے اور پھر یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا۔

قارئین کرام! آیئے! اب ہم آپ کو مثنوی رومی کہ جس کو قرآن کا درجہ دیا گیا ہے کی

سیر کرائیں۔

اشعار کی ایک قسم کو "مثنوی" کہا جاتا ہے۔تو یہ مولوی رومی کی وہ مثنوی ہے کہ جس کے اندر معنوں کا ایک جہاں پوشیدہ ہے اور یہ اس قدر اپنے اندر معانی رکھتی ہے کہ اس کتاب کے سرورق پہ لکھا ہے ؎

ہست قرآن در زبان پہلوی

"یہ فارسی زبان میں قرآن ہے۔"

قارئین کرام! اللہ نے جو قرآن اپنے رسول ﷺ پر نازل کیا، اس میں صاحب قرآن پیغمبر کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ﴾ (یٰسین:٦٩)

"اور نہ ہی ہم نے اسے شعر کہنا سکھایا اور نہ ہی یہ اس (نبی ﷺ) کے لائق ہے۔"

اور سورہ "الشعراء" میں فرمایا:

﴿ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ ○ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ﴾

(الشعراء: ٢٢٤، ٢٢٥)

"جو شاعر ہیں ان کی پیروی تو گمراہ لوگ کرتے ہیں۔کیا تم نے دیکھا نہیں کہ وہ ہر وادی میں منہ مارے پھرتے ہیں۔"

تو مولوی رومی کا جو قرآن ہے ایک تو یہ کہ فارسی زبان میں ہے، دوسرا یہ کہ اشعار کی صورت میں مرتب ہے، تیسری اس کی خوبی یہ ہے کہ اسے ایک صاحب حال صوفی نے لکھا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے مدرسوں میں عربی قرآن کے ساتھ ساتھ یہ فارسی قرآن بھی صدیوں سے نصاب میں شامل رہا ہے، اور کئی مدرسوں میں اب بھی پڑھایا جاتا ہے۔اسے پڑھ پڑھ کر صدیوں سے کیسے راہبر، راہنما اور مرشد تیار ہوئے۔وہ ہمیں عالم اسلام میں صاف نظر آ رہا ہے۔اور ان کی برکتوں سے آج کفر کے ہاتھوں جو جوتے پڑ رہے ہیں وہ

بھی نظر آ رہے ہیں۔

قرآن کے سات باطن کیا تقاضا کرتے ہیں؟:

جبکہ اللہ کی کتاب قرآن کہ جس پر عمل کرنے سے اللہ کے رسول نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو رفعتوں سے ہمکنار کر دیتا ہے۔اللہ کی اس کتاب سے ان صوفیوں نے ہر ممکن طریقے سے اور کمال مہارت اور چالاکی سے روکنے کی کوشش کی۔۔مولانا روم۔۔اللہ کی اس کتاب سے لوگوں کو کس طرح روکتے ہیں۔ذرا انداز ملاحظہ ہو! فرماتے ہیں:

> ''قرآن کے لفظ ظاہر ہیں۔ان کو نہ دیکھ۔ان کے نیچے ایک باطن ہے۔اس باطن کے نیچے ایک اور باطن ہے۔جس میں فکر ونظر حیران ہوجاتی ہیں۔اس باطن کے نیچے ایک تیسرا باطن ہے کہ اس میں تمام عقلیں گم ہوجاتی ہیں۔چوتھا باطن اللہ کے سوا کسی نے نہیں دیکھا۔اس طرح سات باطن ہیں۔''

اس بات سے یہ صوفی لوگ مسلمانوں کو روکتے ہیں کہ تم قرآن پر عمل کر سکتے ہو اور نہ ہی سمجھ سکتے ہو اس لیے کہ اس کے سات باطن ہیں اور اس کا کسی کو علم ہی نہیں یعنی جب اللہ کے سوا کسی کو ان سات باطنوں کا علم ہی نہیں تو پوچھنے کا کیا فائدہ؟ غرض ان باطنی لوگوں نے باطن، باطن کر کے لوگوں کو ایسا الجھایا کہ اپنی لکھی ہوئی کتابوں کو ''کشف الاسرار'' رازوں اور باطنوں کو کھولنے والیاں............... کہہ کر پیش کیا۔ اور قرآن سے ہٹا کر ایسی کتابوں میں اس طرح الجھا کر رکھ دیا، کہ جو ایسا گورکھ دھندا ہیں کہ جس کی آج تک کسی صوفی کو بھی سمجھ نہیں آ سکی۔دوسرے کو کیا آئے گی؟

علامہ اقبال کا مرشد۔مولانا روم:

قبل اس سے کہ ہم فارسی قرآن کی بات شروع کریں، یہ بتلا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ شاعر مشرق علامہ اقبال کے فارسی کلام میں بھی ایک مثنوی ہے، جسے ''مثنوی اقبال'' کہا جاتا

ہے۔اس میں علامہ صاحب فرماتے ہیں:

پیر رومی مرشد ضمیر
کاروان عشق و مستی را امیر

''پیر رومی ضمیر کا مرشد ہے، وہ عشق و مستی کے کاروان کا امیر ہے۔''

آیئے اب اقبال کے مرشد پیر رومی کا کلام ملاحظہ کریں، جو عشق و مستی کا درس دیتا ہے، اور جسے فارسی زبان میں قرآن کہا جاتا ہے۔

عربی قرآن کا آغاز''الحمدللہ''...... فارسی قرآن کا آغاز''سارنگی''

مرزائیوں نے''پنجابی نبی'' بنایا اور اس کذاب کو ظلی نبی کے نام سے موسوم کیا۔۔۔اسی طرح قبر پرستوں نے بے شمار قبروں کو غلاف پہنا کر۔انہیں بوسے دے کر۔اور پھیرے لگا کر، کعبہ کا مقابلہ کر ڈالا۔۔۔جبکہ حنفی مولویوں نے اپنی فقہ کی کتاب''ھدایہ'' کو''کا القرآن'' ''قرآن جیسی کتاب'' کہہ ڈالا۔اور حنفی صوفیوں نے تو کمال کر دیا۔انہوں نے اپنے آپ کو رب قرار دیا۔ اور پھر ایک صوفی کی شعروں میں لکھی ہوئی الل ٹپ کتاب کو''فارسی زبان میں''قرآن'' کہہ ڈالا۔

سبحان اللہ......میرے مولا کریم نے جو قرآن نازل کیا۔اس کا آغاز اس طرح ہے ''الحمدللہ رب العالمین'' اور فارسی زبان میں جو قرآن ہے، اس کا آغاز اس طرح ہے:

بشنواز نے چوں حکایت می کند
وز جد ایھا شکایت می کند

''بانسری سے سن! کیا بیان کرتی ہے اور جدائیوں کی کیا شکایت کرتی ہے۔''

یعنی اس کا آغاز''بانسری'' سے ہو رہا ہے، کہ اے صوفی بانسری سن۔کیونکہ

عشق کی آگ ہے جو بانسری میں لگی ہے
عشق کا جوش ہے جو شراب میں آیا ہے

''بانسری۔ پھر عشق کی آگ ......پھر عشق کا جوش......پھر یہ جوش شراب میں آگیا ہے۔''

جناب والا......یہ ہے فارسی قرآن، اسے پڑھیے، اس پہ عمل کیجیے، جدائیاں ختم کیجیے! بانسری کی آواز پہ دھیان دے کر ایک ہوجایئے۔ ''وحدۃ الوجود'' کے نظریئے کا مزہ لیجئے۔ یعنی اللہ میں گم ہوجایئے اور وہاں تو کوئی کیا گم ہوگا۔ البتہ یہ سارے کام کر کے۔ تقدس کے پردے تلے، انسانی وجودوں کی وحدت جو شر پھیلائے ہوئے ہے، اور جو شراب اپنے پھن پھیلائے ہوئے ہے۔ وہ منظر درباروں کی دنیا میں اپنے جوبن پر ہے۔

شکر اور تصوف:

مولانا رومی کہتے ہیں:

''چونکہ شکر کی تاثیر پوشیدہ رہتی ہے چند دن بعد قابل نشتر پھوڑا پیدا کر دیتی ہے۔''

یہ شعر پڑھ کر میں سوچ رہا تھا کہ پاکپتن میں بھی ایک بزرگ بابا فرید ہیں۔ جنہیں ''گنج شکر'' یعنی شکر کے خزانے دینے والا کہا جاتا ہے.........حقیقت یہی ہے کہ تصوف کی شکر کھا کھا کر پوری قوم پھوڑوں کے روگ میں مبتلا ہے۔ اب ان پھوڑوں کا پھوڑنا ضروری ہے۔ یہ محض اللہ کی توفیق ہے کہ ہم کتاب وسنت کے نشتر سے ان پھوڑوں کا آپریشن کر رہے ہیں۔ ہمارے اس عمل سے ہمارے کئی بھائی ہم سے ناراض ہیں۔ ان کی ناراضگی اپنی جگہ، مگر صحت کے لیے اس نشتر کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ تصوف کی شکر نے جو سب سے بڑا پھوڑا پیدا کیا ہے وہ ''وحدۃ الوجود'' ہے۔ سب صوفی اسی کے قائل تھے۔ مولانا رومی بھی اسی کے علمبردار تھے۔ چنانچہ وہ اپنے مرشد شمس تبریز کی شان میں جو کچھ کہتے ہیں اور پھر ان کی جدائی میں جو جو ارشاد فرماتے ہیں۔ اس میں ''وحدۃ الوجود'' ہی کی پیپ نظر آتی ہے۔ ملاحظہ ہو!

شمس تبریزی جو مکمل نور ہے

سورج ہے اور حق کے نوروں میں سے ہے

وہ سورج جس سے یہ سارا عالم روشن ہے
اگر تھوڑا سا آگے آجائے توسب کو جلا دے
تاکہ دنیا کی جان کا دل تباہ نہ ہو
اب ہونٹ سی لے اور آنکھیں بند کر لے
فتنہ و فساد اور تباہی کی کوشش نہ کر
اور اس سے زیادہ شمس تبریز کے بارے میں جستجو نہ کر

مولانا روم نے ......اپنے مرشد کو ''مکمل نور'' کہا۔ پھر اللہ کے نوروں میں سے نور کہا۔ پھر کہا کہ یہ وہی سورج ہے جس سے سارا جہاں روشن ہے۔ اگر یہ تھوڑا سا آگے آجائے تو سب کو جلا دے۔ یعنی رومی صاحب سمجھا رہے ہیں کہ ہے تو یہ اللہ۔ لیکن چونکہ میں ایسی بات کہہ نہیں سکتا، کیوں کہ اگر کہہ دوں تو فتنہ وفساد اور تباہی کا ڈر ہے۔ لہٰذا میں نے اپنے ہونٹ سی لیے ہیں اور آنکھیں بند کر لی ہیں اور شمس تبریز کے بارے میں جستجو نہ کرنے کا عزم کر لیا ہے، کیونکہ اس کی جستجو کیا کروں جو زمین پر چلتا پھرتا خدا دکھائی دیتا ہے......تو یہ ہے ''وحدۃ الوجود'' کا گند جو مولانا روم کی مثنوی میں بھرا پڑا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ قبر پر سارنگی بجانے والے بوڑھے کی تلاش میں:

سارنگی کہ جس سے فارسی قرآن کا آغاز ہوتا ہے، اس کی ''تان'' سے مولانا رومی نے یہ استدلال کیا ہے کہ وہ جدائی کے رونے روتی ہے، یعنی بندہ جب نہ تھا تو خدا میں شامل تھا، اور اب جب وہ وجود میں آیا تو دوبارہ مولا میں شامل ہونے کے لیے دنیا میں بھٹک رہا ہے۔ چنانچہ اس نظریئے کے پیش نظر سارنگی کی آواز مولانا روم کو بڑی پسند ہے۔ اور اس پسندیدگی کی وجہ سے انہوں نے ''فارسی قرآن'' یعنی اپنی مثنوی میں ترکی کے ایک پہاڑ ''کوہ ارارات'' سے بھی بڑی کئی خرافات گھڑی ہیں۔ ان میں ایک اس طرح ہے کہ۔

مدینے میں ایک ستر سالہ بوڑھا تھا۔اسے احساس ہوا کہ اب دنیا سے جانے والا ہوں،کوئی نیک کام تو کیا نہیں۔لہٰذا مولانا روم کے بقول وہ اللہ سے کہنے لگا:

کمائی نہیں ہے اب میں تیرا مہمان ہوں
تیرے لیے سارنگی بجاؤں گا کیونکہ تیرا غلام ہوں

سارنگی اٹھائی اللہ کی طلب میں روانہ ہوا
مدینہ کے قبرستان میں آہیں بھرتا ہوا

سارنگی بہت بجائی اور روتے ہوئے سر رکھ دیا
سارنگی کا تکیہ اور ایک قبر پر گر پڑا

اس کو نیند آ گئی جان کا پرندہ قید سے چھوٹ گیا
سارنگی اور سارنگی باز کو چھوڑا اور چل دیا

قارئین کرام!ایک تو یہ منظر ہے کہ بابا سارنگی بجاتا ہوا قبر پر گرا پڑا ہے اور اس کی روح اس کے جسم سے پرواز کر گئی ہے۔جبکہ دوسرا منظر مولانا ردمی صاحب یوں بیان کرتے ہیں:

اس وقت اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر نیند طاری کر دی
یہاں تک کہ نیند کی وجہ سے اپنے آپ کو سنبھال نہ سکے

تعجب کیا کہ یہ عادت نہیں ہے
یہ غیب سے آئی ہے بلا مقصد نہیں ہے

سر رکھا اور ان کو نیند آ گئی، خواب دیکھا
ان کو اللہ تعالیٰ کی آواز آئی جو ان کی جان نے سنی

عمرؓ کو آواز آئی اے عمرؓ
ہمارے ایک بندہ کو ضرورت سے نجات دلا

ہمارا ایک خاص اور محترم بندہ ہے
قبرستان کی جانب جا

اے عمرؓ اٹھ عوام کے بیت المال سے
پورے سات سو دینار ہاتھ میں لے

اس کے سامنے لے جا کہہ! اے ہمارے برگزیدہ
اتنا لے لے۔ اب معذور سمجھ

یہ مقدار جو سارنگی کا انعام ہے
خرچ کر، جب خرچ ہوجائے اس جگہ آ جانا

چنانچہ عمرؓ اس آواز کی ہیبت سے اٹھ کھڑے ہوئے
اور اس خدمت کے لیے کمر بستہ ہوگئے

عمرؓ نے قبرستان کا رخ کیا
تھیلی بغل میں تھی جستجو میں دوڑ رہے تھے

قبرستان کے چاروں طرف بہت دوڑے
اس بوڑھے کے علاوہ کسی کو نہ دیکھا

کہا یہ نہ ہوگا، پھر دوڑے
تھک گئے اور اس بوڑھے کے سوا کسی کو نہ دیکھا

کہ اللہ نے فرمایا ہمارا ایک بندہ
پاک شائستہ اور با برکت ہے
بھلا بوڑھا سارنگی نواز خدا کا خاص کب ہوگا!
واہ واہ اے پوشیدہ راز واہ واہ

پھر قبرستان کا چکر لگایا
جیسے شکاری شیر جنگل کے گرد (چکر لگاتا ہے)
جب ان کو یقین ہوگیا کہ بوڑھے کے علاوہ کوئی نہیں ہے
بولے: بہت سے روشن دل اندھیرے میں ہوتے ہیں

آئے اور بہت ادب سے وہاں بیٹھے
عمرؓ کو چھینک آئی اور بوڑھا اٹھ بیٹھا
عمرؓ کودیکھا اور حیران ہوگیا
چل دینے کا ارادہ کیا ور کانپنے لگا
دل میں بولا : اے خدا! تیری دہائی
نا چیز سارنگی نواز پر محتسب کی مار ہے
عُمر کو دیکھا اور حیران ہوگیا
چل دینے کا ارادہ کیا اور کانپنے لگا
دل میں بولا! اے خدا! تیری دہائی
نا چیز سارنگی نواز پر محتسب کی مار ہے
(حضرت عمرؓ) نے جب بوڑھے پر نظر ڈالی
اس کو شرمندہ اور چہرہ زرد دیکھا
اللہ نے تیری خصلت کی اس قدر تعریف کی ہے
کہ عمرؓ کو تیرے چہرے کا عاشق بنادیا ہے
اللہ نے تجھے سلام کہا ہے اور دریافت کیا ہے
کہ بے حد غموں اور تکلیفوں میں تیرا کیا حال ہے؟

یہ ہے کچھ تھوڑا سا سارنگی بجانے کا انعام
اس کو خرچ کراور پھر اس جگہ آ جانا

قارئین کرام! اس کے بعد کیا ہوا؟ بوڑھے نے سارنگی توڑ دی، کیونکہ سالہا سال سارنگی بجانے کی وجہ سے محبوب نے اس کا حال پوچھ لیا تھا۔ اب کیا ہوا؟

اس کے باطن میں اس وقت ایک حیرت پیدا ہوئی
جس سے وہ زمین اور آسمان سے باہر ہوگیا

یعنی وہ خدا سے مل کر لامکان ہوگیا۔ زمین وآسمان کے کناروں سے باہر بے کنار ہوگیا۔ اوراب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنہوں نے یہ سارا کام کیا۔ خاموشی سے لوٹ گئے۔

غرض اس افسانے سے مولانا رومی سمجھانا کیا چاہتے ہیں؟ سبق کیا دینا چاہتے ہیں؟

یہی کہ صاحب قال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رب تعالیٰ۔ صاحب حال کے پاس لایا اور صاحب حال اس قدر عظیم تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے پاس آنا پڑا۔ اسے اس کے چہرے کا عاشق بننا پڑا۔ تلاش کرنا پڑا اور جب تلاش ہوگئی۔ تو صاحب حال، اللہ میں شامل ہوا، اور صاحب قال یہ سارا منظر حیرت سے دیکھتا ہی رہ گیا۔ اللہ کی پناہ اس من گھڑت اور افسانوی قصے سے۔ یقیناً یہ شیطان ہی کی وحی تھی جو مولانا روم کی طرف کی گئی۔ اور پھر جس کتاب میں یہ وحی لکھی گئی، وہ یاران تصوف کا فارسی قرآن بن گیا۔

غرض اس عظیم صوفی شاعر رومی نے پوری قوم کو قبر پرست بنانے کیلیے، ستر سالہ بابا کے ہاتھ میں سارنگی تھما کر، مدینے کی ایک قبر پر گرادیا۔ یقین جانئے تھوڑا سا غور کیجیے۔ یہ اتنی بڑی گستاخی ہے کہ جس کا تصور کرکے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ یعنی یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ہے۔ بابا ستر سالہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یعنی زندہ تھا اور مسلمان تھا۔ سارنگی بجایا کرتا تھا۔ اور جب وہ اللہ کے رسول کے زمانے میں تھا، تو لامحالہ صحابی ہوا۔ اب اسکا سارنگی بجانا۔ قبر پر گرنا......اللہ کی پناہ ایسی

ہفوات سے۔

قبر پرستی کی تبلیغ:

حضرت بایزید بسطامی جو بہت بڑے صوفی ہو گزرے ہیں۔ان کے بارے میں جناب رومی صاحب نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت بایزید نے دن متعین کرتے ہوئے کہا کہ ''فلاں تاریخ کو میرے بعد ایک ولی ابوالحسن خرقانی پیدا ہوگا۔مرتبے میں وہ مجھ سے بڑا ہوگا۔'' چنانچہ کئی سالوں بعد اسی تاریخ کو یہ ولی پیدا ہوگیا۔اس ولی ابوالحسن نے لوگوں سے سنا کہ ''حضرت بایزید فرمایا کرتے تھے کہ: ابوالحسن میرا مرید اور میرا امتی ہوگا۔ہر صبح کو میری قبر سے تعلیم حاصل کرے گا۔ وہ ہر صبح کو آئے گا اور سبق حاصل کرے گا۔ پھر میری قبر پر حق کے ساتھ پیر بن جائے گا۔''

اب حضرت ابوالحسن ہر صبح تیزی سے دلجمعی کے ساتھ حضرت بایزید کی قبر کے سرہانے بیٹھتے۔حاضری میں چاشت تک کھڑے رہتے۔پھر ایک روز آئے تو قبر پر برف پڑی تھی۔ چنانچہ قبر نہ پاکر غمگین ہوئے۔،اس پر قبر سے آواز آئی! ''میں یہاں ہوں۔ تجھے پکار رہا ہوں تاکہ تو دوڑ کر میرے پاس آجائے۔''

قارئین کرام...... یہ ہے فارسی قرآن جو قبر پرستی کا درس دے رہا ہے، جب کہ عربی قرآن صاف صاف کہہ رہا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ﴾ (الاعراف : ۱۹۴)

''لوگ اللہ کو چھوڑ کر جنہیں پکارتے ہو، وہ تو تمہارے جیسے بندے ہیں۔ انہیں پکار دیکھو، پھر چاہیے تو یہ کہ وہ تمہیں جواب دیں، اگر تم سچے ہو۔''

یعنی اگر تمہارا یہ دعویٰ سچا ہے کہ قبروں میں پڑے یہ بزرگ سنتے ہیں۔تو پھر انہیں تمہاری آوازوں اور پکاروں کا جواب بھی دینا چاہیے۔اب یہ قرآن کا چیلنج ہے، جس کا مطلب یہ

ہے کہ یہ لوگ جواب نہیں دے سکتے۔ مگر مولانا روم کے فارسی قرآن میں اس چیلنج کا جواب دے دیا گیا، یہ کہہ کر کہ حضرت بایزید بسطامی اپنے مرید ابو الحسن کو قبر سے جواب دے دیا ہے۔ (اللہ کی پناہ اس مقابلے سے جو رب کے قرآن سے کیا گیا)۔

جب مریدوں نے اپنے پیر کو چھریاں ماریں مگر ہلاک خود ہو گئے:

قارئین کرام! قرآن کا مقابلہ تو رہا ایک طرف ......صوفی حضرات تو رب بننے سے کم پر راضی ہی نہیں ہوتے۔ مولانا روم رقمطراز ہیں:

ایک دفعہ بایزید نے مریدوں کے سامنے کہا:

سُبۡحَانِیۡ مَا اَعۡظَمُ شَانِی

میں پاک ہوں۔ میری شان کا کیا کہنا!

پھر مستی کی حالت میں کھلم کھلا کہا:

لَا اِلٰهَ اَلَا اَنَا هَا فَاعۡبُدُوۡنِ

میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ خبردار میری عبادت کرو۔

جب مستی کی حالت گزر گئی تو مریدوں نے عرض کی: حضرت! آپ نے یہ کیا کہا: اس پر حضرت نے فرمایا: اگر میں ایسا کہوں تو مجھے چھریاں مارنا۔ کیونکہ اللہ جسم سے پاک ہے اور میں جسم رکھتا ہوں۔ ہاں! اگر اب میں ایسا کہوں تو مجھے قتل کر دو۔ اس کے بعد حضرت پھر استغراق میں مست ہو گئے اور کہا:

''میرے جبہ میں خدا کے سوا کوئی نہیں''

اب مرید چھریاں مارنے لگے۔ کوئی تلوار مارنے لگا۔ مگر ہوا اس طرح کہ جس نے حضرت کے گلے پر چھری چلائی اس کا اپنا گلا کٹ گیا، اور جس نے سینے پر زخم لگایا، اس کا اپنا سینہ چیرا گیا۔ لوگ آئے، انہوں نے دیکھا کہ مرید لہولہان ہیں۔ مر چکے ہیں۔ مگر حضرت زندہ سلامت تھے۔ یعنی وہ خدا تھے۔ اس لیے ان پر چھریوں نے کیا اثر کرنا تھا۔ قارئین کرام! یہ

ہے ''وحدۃ الوجود'' کا گندہ نظریہ کہ جس کے تحت ایک صوفی خدا بن رہا ہے۔عیسائیوں نے تو کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے مگر ہمارے صوفیوں نے کہا۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے ہم تو خود خدا ہیں!!!

جب قطب عالم بایزید کے سات سو دینار لے اڑا!

انہی حضرت بایزید کا ایک اور واقعہ مولانا رومی نے نقل فرمایا ہے۔لکھتے ہیں : حضرت بایزید نے کعبہ کو جانے کا قصد کیا۔دوران سفر وہ کسی نہ کسی ولی بزرگ کو ڈھونڈ کر اس کے پاس جاتے۔اس طرح ایک جگہ وہ ایک بزرگ کے پاس گئے، جو قطبوں میں ایک قطب تھا۔ ان کے سامنے بیٹھے اور احوال دریافت کیے۔انہوں نے کہا: اے بایزید! کہاں کا ارادہ ہے؟ بایزید نے کہا: شوق کی وجہ سے کعبہ کو جانے کا قصد کیا ہے۔پھر پوچھا: راستہ کا خرچ کتنا ہے؟ کہا: چاندی کے دوسو درہم ہیں۔ بزرگ نے فرمایا: میرے گرد سات بار طواف کر لے۔یہ حج کے طواف سے بہتر ہے۔رہے وہ درہم تو وہ مجھے دے اور سمجھ لے کہ تو نے حج کرلیا۔جب تو نے مجھے دیکھا تو گویا خدا کو دیکھا ہے۔میری خدمت اللہ کی عبادت اور حمد ہے۔خبردار! کبھی نہ سمجھنا کہ اللہ مجھ سے جدا ہے۔

حضرت بایزید نے ان نکتوں کو یاد کرلیا
سونے کے بالے کی طرح ان کو کان میں پہنا

''میں'' اور ''تو'' ختم:

مثنوی کے دفتر اول میں مولانا روم فرماتے ہیں:

ایک شخص دوست کے دروازے پر آیا۔دروازہ کھٹکھٹایا۔دوست نے پوچھا: کون ؟اس نے کہا: میں ہوں۔اس نے جواب دیا: جا چلا جا۔ملاقات کا وقت نہیں ہے۔تیری ''میں'' ابھی تجھ سے گئی نہیں؟ تجھے تو آگ میں جلا دینا چاہئے۔اب یہ ''میں'' کہنے والا شرمندہ ہو گیا۔

ایک سال تک بے وطن رہا۔صوفیانہ ریاضتیں کرتا رہا۔جب وہ آتش فراق سے جلا ہوا پختہ ہو گیا۔ پھر لوٹا۔دوبارہ دوست کے گھر کی جانب روانہ ہوا۔نہایت ادب اور خوف سے دروازہ کھٹکھٹایا تاکہ منہ سے بے ادبی کا کوئی لفظ نہ نکلے۔اس کے دوست نے آواز دی۔دروازہ پر کون ہے؟ اس نے کہا :اے دوست!دروازے پر بھی ''تو'' ہی ہے۔اس نے کہا:اب تو ''میں'' ہے تو،اے ''میں'' اندر آجا۔ایک گھر میں دو کی گنجائش نہیں۔

قارئین کرام! مولانا روم کا یہ بیان کردہ قصہ جب میں نے پڑھا تو اور پڑھتا چلا گیا۔ میں منتظر تھا کہ آگے یہ لکھا ہوگا، پھر جب دونوں ایک ہوگئے تو دونوں کی بیویاں دونوں کے لیے ''ایک'' ہوگئیں۔یا ایک کی جو بیوی تھی تو وہ ''دونوں'' ایک کے کے لیے ''ایک'' ہوگئی۔ بہرحال ایسا کوئی واقعہ لکھا ہوا تو نہ تھا مگر ایک گھر میں دو کے ایک ہونے کا مطلب بہرحال یہی بنتا ہے۔کیونکہ مولانا روم نے کہہ دیا ہے:

جو دروازے پر تو اور میں کا اعلان کرے
وہ دروازے سے مردود ہے اور لا مقیم ہے
جب سب ایک ہو جائیں دوئی نہیں رہتی
وہاں ''میں'' اور ''تو'' ختم ہو جاتا ہے

وحدۃ الوجود اور دردزہ:

مولانا روم لکھتے ہیں: عورت کو جب دردزہ اٹھتا ہے تو اس کو وہ درد پردے سے باہر لے آتا ہے اور جب تک ماں کو یہ درد نہ ہو۔بچہ کو پیدا ہونے کے لیے کوئی راستہ نہیں ملتا۔اس مثال کو اب مولانا روم ''وحدۃ الوجود'' پر فٹ کرتے ہیں۔اس کا انطباق اس نظریئے کے حامل صوفیوں پر کرتے ہیں، جو اپنے خدا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔مولانا روم اس دعویٰ کو امانت قرار دیتے ہیں!اور فرماتے ہیں:

یہ امانت دل میں ہے اور جان حاملہ ہے
اور یہ نصیحتیں دایہ جیسی ہیں

دایہ یہ کہتی ہے کہ عورت کو درد نہیں ہے

حالانکہ درد چاہیے (کیونکہ) درد ہی بچہ کا راستہ ہے

یعنی یہ خدا ہونے کی جو امانت دل میں ہے، اس سے صوفیوں کی جان حاملہ ہے۔ ضروری ہے کہ وہ اسے جنم دیں اور خدا ہونے کا اعلان کریں، جب کہ ایسا نہ کرنے کی نصیحتیں جو صاحب قال حضرات کرتے ہیں، وہ اس طرح ہیں جیسے دایہ یہ نصیحت کرتی ہے کہ درد نہیں ہے۔ حالانکہ درد ہوگی تو بچہ پیدا ہوگا۔ اسی طرح صوفیوں کو بھی وحدۃ الوجود کا درد تکلیف دے رہا ہے، اور وہ تکلیف تبھی رفع ہوگی جب وہ خدا ہونے کا اعلان کریں گے۔ چنانچہ مولانا روم کہتے ہیں:

اس لیے بے دردی ''انا الحق'' کہنا ہے۔

اور جس منصور الحلاج نے یہ جملہ کہا............مولانا روم اس کے بارے میں کہتے ہیں:

وہ ''انا'' منصور کے لیے رحمت تھا

یعنی جب منصور نے یہ جملہ بولا تو اس کے اندر کی تمام تکلیفیں اور دردیں دور ہوگئیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر صوفی کو درد ہے، اور اس کا درد تبھی ختم ہوتا ہے جب وہ خدا ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ اللہ کی پناہ ایسے درد سے۔ یقیناً یہ درد شیطان کی طرف سے ہے۔ جو انسان سے خدا ہونے کا اعلان کرواتا ہے۔

جھوٹی حکائیتیں:

حدیثیں گھڑنا، جھوٹی حکائیتیں بیان کرنا، من گھڑت قصے بیان کرنا، بے سروپا واقعات کو کرامات بنا کر رقم کرنا۔ یہ صوفیوں کی پرانی عادات ہیں۔ وہ ان عادات کے ہاتھوں کیوں مجبور ہیں؟ یہ تو ہم بعد میں بتلائیں گے۔ البتہ فارسی قرآن میں ایسی بے شمار نادر اشیاء میں سے ہم نے چند ایک کا انتخاب کیا ہے۔ ملاحظہ کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کے خادم سے کہا: ''تو اپنے آقا کو قتل کرے گا'':

مولانا روم رقمطراز ہیں کہ ایک روز اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خادم کو کان میں کہا کہ تو ایک روز اس گردن سے سر قلم کرے گا۔اب حضرت علی رضی اللہ عنہ بقول مولانا رومی کہتے ہیں۔

وہ آیا اور میرے آگے زمین پہ گر پڑا
اس نے بار بار میرے پیروں پہ سر رکھا
پھر آیا کہ اے علی رضی اللہ عنہ! مجھے جلد قتل کر دیجیے
تاکہ (آپ کو قتل کرنے کا) برا وقت نہ دیکھوں
میں معاف کرتا ہوں، میرا خون کر دیجیے
حضرت علی نے کہا بے فکر ہو جا، میں تیرا اسفارشی ہوں
میں روح کا مالک ہوں جسم کا غلام نہیں ہوں

حضرت یحییٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا ماں کے پیٹ میں ایک دوسرے کو سجدہ کرنا:

مثنوی رومی کی اس جھوٹی حکایت کا عنوان بھی ہم نے وہ باندھا ہے جو خود مولانا رومی نے لکھا ہے۔ چنانچہ اب مذکورہ بالا موضوع پر فارسی شعروں کا ترجمہ بلا تبصرہ ملاحظہ کریں۔

حضرت یحییٰؑ کی والدہ جب ان سے حاملہ تھیں
حضرت مریمؑ کے رو برو بیٹھی تھیں
حضرت یحییٰؑ کی والدہ نے مریمؑ کو آہستہ سے
اپنے وضع حمل سے پہلے کہا
مجھے یقین ہے کہ آپ کے پیٹ میں ایک شاہ ہے
جو کہ بڑے درجہ کا اور باخبر رسول ہے

جب میں آپ کے برابر آئی
اے عقلمند میرے حمل نے سجدہ کیا
پیٹ کے اس بچہ نے پیٹ کے اس بچہ کو سجدہ کیا
جس کے سجدہ سے میرے بدن میں درد ہوا
حضرت مریمؑ نے کہا! میں نے بھی اپنے پیٹ میں
اس پیٹ کے بچہ کا سجدہ دیکھا

(مثنوی رومی: دفتر دوم)

ابلیس کو حقارت کی نظر سے دیکھنے پر آدم علیہ السلام کو اللہ کی ڈانٹ:

ایک روز حضرت آدم علیہ السلام نے ابلیس کو حقارت کی نظر سے دیکھا۔اس کا مذاق اڑایا۔تو اللہ کی غیرت جوش میں آ گئی اور آدم سے کہا: مجھے چھپے ہوئے رازوں کا علم ہے۔میں چاہوں تو سینکڑوں آدمیوں کی پردہ دری کردوں اور سینکڑوں شیطانوں کو نومسلم کردوں۔اس پر حضرت آدم علیہ السلام نے اس نظر سے توبہ کی (کہ پھر کبھی ایسی گستاخی کو خیال میں نہ لاؤں گا)

قارئین کرام! غور فرمایئے! شیطان کے مذاق اڑانے پر اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آ گئی۔اور پھر اس گستاخی پر حضرت آدم علیہ السلام رجوع کر رہے ہیں۔اللہ کی پناہ ایسے صوفیانہ زٹل اور جھوٹ سے۔

ولیوں کی عظمتوں کے واقعات:

بابا رومی نے اپنے فارسی قرآن میں ولیوں کی کرامات اور عظمتوں کے عجیب وغریب اور ایمان برباد کرنے والے عقائد وواقعات درج کیے ہیں۔ان میں سے چند ایک ملاحظہ کریں۔

ولی کی خودکشی کے ذریعہ ولایت حاصل کرنا:

لکھتے ہیں ''ایک عیسائی وزیر تھا۔وہ ولی ہوگیا۔اس نے چلہ کرتے ہوئے چالیس

روز تک اپنا دروازہ بند رکھا، اور پھر اپنے آپ کو قتل کر کے اپنے وجود سے چھٹکارا پالیا۔تب لوگ اس کی موت سے آگاہ ہوئے تو بے شمار لوگ قبر پر جمع ہو گئے۔ان کی تعداد کو خدا ہی گنتا جاتا تھا۔لوگ اس کے غم میں بال نوچ رہے تھے۔کپڑے پھاڑ رہے تھے۔مٹی سروں میں ڈال رہے تھے۔لوگوں نے ایک مہینہ تک اس کی قبر پر اپنی دونوں آنکھوں سے خون بہایا۔اس کی جدائی کے درد سے سب آہ وزاری میں تھے۔بادشاہ بھی۔چھوٹے بھی اور بڑے بھی۔" (مثنوی رومی: دفتر دوم)

قارئین کرام! دیکھا آپ نے چلہ کر کے جس نے خودکشی کی۔وہ حرام موت نہیں مرا بلکہ اس نے اپنے وجود سے چھٹکارا پالیا، اور پھر جو کچھ اس کی قبر پر ہو رہا ہے، مولانا روم اس پر تحسین کے ڈونگرے برسا رہے ہیں۔

ولی کو سجدہ اور سوئی کی تلاش:

ابراھیم ادھم کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ایک راستہ پر ایک دریا کے کنارے بیٹھے تھے۔وہ روحانی بادشاہ اپنی گدڑی سی رہے تھے۔اچانک اس جگہ ایک سردار آ گیا۔وہ امیر، شیخ کے قدموں میں تھا، اس نے شیخ کو پہچان لیا۔بہت جلد سجدہ کیا۔

غور فرمایئے! مولانا روم پیر صاحب کو مرید سے سجدہ کروا رہے ہیں۔پھر وہ پیر صاحب جس سوئی سے گدڑی سی رہے تھے، اسے انہوں نے دریا میں پھینک دیا اور پھر زور سے سوئی مانگی تو لاکھوں مچھلیاں ہونٹوں میں سونے کی سوئیاں دبائے آ گئیں اور کہنے لگیں۔اے شیخ! اللہ کی سوئیاں لے لے۔مگر شیخ نے کہا: اے اللہ! مجھے تو اپنی سوئی چاہئے۔تب ایک مچھلی برآمد ہوئی اور اس کے منہ میں شیخ کی سوئی تھی۔ (مثنوی رومی دفتر دوم)

جب سردار نے پیر کے حکم کا ایسا صدور دیکھا تو وہ کہنے لگا: افسوس۔مچھلیاں پیروں سے واقف ہیں اور اس پر تف ہے جو مردود بارگاہ ہے۔یعنی مچھلیاں تو حضرت کی خدمت میں حاضر ہو رہی ہیں اور وہ انسان کس قدر مردود ہے کہ جو پیروں کی خدمت میں حاضر نہیں ہوتا۔

پیر کی قے موتیوں میں بدل گئی:

میں نے اپنی کتاب ''شاہراہ بہشت'' میں اپنے دوست طارق محمود کی آپ بیتی لکھی ہے جو کبھی ولایت کی منزلیں طے کرنے کے لیے (داتا دربار) پہ رہا کرتے تھے، اور اب ماشاء اللہ کتاب وسنت کے داعی ہیں، وہ کہتے ہیں:

''میں اپنے پیر کے سامنے ہاتھ باندھ کر حاضر ہوا۔آ قا!اب کیا حکم ہے؟اس پر حضرت نے ایک پیالی میں تھوکنا شروع کر دیا۔جب پیالی آدھی ہوگئی تو فرمانے لگے:اسے پی جاؤ۔اب میں ہی جانتا تھا یا میرا مولا کہ اس وقت میری کیا حالت ہوئی۔مگر معرفت کے حصول کی لگن میرے جسم میں رچی بسی تھی۔سوچا کہ یہ میرا امتحان ہے اور اس میں پاس ہونا چاہیے اور پھر یہ بھی سن رکھا تھا کہ بزرگ چاہیں تو چاولوں کو کیڑے بنا دیں اور گندگی کو مٹھائی میں تبدیل کر سکتے ہیں۔شاید یہ بھی کوئی ایسا ہی معاملہ ہو؟لیکن میرے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔اور مجھے اسی پر گزارہ کرنا پڑا اور جیسے تیسے کر کے نگل گیا۔''

قارئین کرام!یہی بات مولانا روم اپنی مثنوی میں اس طرح لکھتے ہیں:

ایک دن بزرگ نے بدگمانی رفع کرنے کیلیے برتن میں قے کر دی اور وہ موتیوں سے بھر گیا۔

غرض جب مولانا رومی اور دیگر صوفیوں کی ایسی باتیں لوگ پڑھیں گے تو لا محالہ وہ صوفیوں کے تھوک بھی چاٹیں گے۔قے بھی کھائیں گے اور دیگر گندگی بھی نگلیں گے۔(اللہ کی پناہ اس گند سے)

ولیوں کی شان میں چند اور اشعار:

مولانا روم لکھتے ہیں:

بایزید نے اس نور کی زیادتی میں راستہ پایا
خدا سے قطب العارفین کا لقب پایا

اللہ تعالیٰ کی پرعظمت ذات پر مولانا روم کا یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ جس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اللہ کے قرآن نے ایسے جھوٹوں کا پہلے ہی پول کھولتے ہوئے آگاہ کیا ہے۔ فرمایا:

﴿ مَاتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسۡمَآءً سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَ آبَآؤُكُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطَانٍ ﴾ (یوسف: ٤٠)

''اللہ کے علاوہ جن ہستیوں کی عبادت تم کررہے ہو، یہ تو محض نام (القابات) ہیں، جنہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ چھوڑا ہے، جب کہ اللہ نے ایسی کوئی سند نازل نہیں فرمائی۔''

اور نازل ہو بھی کیسے؟ چنانچہ وحی کا سلسلہ تو بند ہو گیا۔ اب اللہ نے کس طرح قطب کا لقب بایزید کو دے دیا؟ مولانا روم دوسرے شعر میں فرماتے ہیں:

انسان کا مرتبہ اولیاء کے ہاتھ میں ہے۔ حیوان کی طرح فرمانبردار۔ سمجھ اے عقلمند، یعنی اپنی عقل کو رہنے دے اور حیوان کی طرح ولیوں کو پوجتا رہ۔ کیونکہ تیرا مرتبہ ان کے ہاتھ میں ہے۔

(اللہ کی پناہ ایسی سوچ سے) تیسرے شعر میں فرماتے ہیں:

کوہ طور موسیٰ کے نور سے رقص میں آ گیا
باکمال صوفی بن گیا اور نقص سے بری ہوگیا

(مثنوی معنوی رومی: دفتر اول)

اس شعر سے رومی صاحب گویا یہ درس دے رہے ہیں کہ قوم کو پہاڑوں اور پتھروں کی پوجا پہ لگا دیا جائے۔ چنانچہ کوہ طور کو انہوں نے صوفی ہی نہیں بنایا بلکہ کہا کہ وہ ہر نقص یعنی عیب سے پاک ہوگیا۔ اور وہ تو رقص کررہا تھا۔ لہٰذا اب کوہ طور کی اتباع میں صوفی بھی

صوفیانہ رقص کریں گے۔صوفیانہ ناچ ناچیں گے اور روحانی ڈانس کریں گے۔

من گھڑت جھوٹی احادیث صوفی کیوں گھڑتے ہیں؟

جتنی بھی من گھڑت احادیث گھڑی گئی ہیں۔یہ کارنامہ باطنی صوفیوں نے سرانجام دیا ہے۔مثنوی رومی میں بھی بہت ساری ایسی احادیث ہیں کہ جن کا نہ انہوں نے حوالہ دیا ہے اور نہ ہی حوالہ کہیں عالم وجود میں موجود ہے۔مثال کے طور پر ایک حدیث یہ بیان کی ہے:

''جو اللہ کے ساتھ بیٹھنے کا قصد کرے وہ اہل تصوف کے ساتھ بیٹھے۔''

(مثنوی رومی: دفتر اول ودوم)

اسی طرح یہ حدیث بھی من گھڑت ہے کہ!

''میں چھپا ہوا خزانہ تھا،تو میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں،تو میں نے مخلوق پیدا کی،تا کہ میں پہچانا جاؤں۔''

ایک یہ من گھڑت حدیث بھی مولانا روم لائے ہیں:

لولاك لما خلقت الا فلاك

''(میرے رسول) اگر آپ نہ ہوتے تو میں کائنات ہی پیدا نہ کرتا۔''

اور صوفیوں کی یہ معروف بات بھی حدیث بنا کر مولانا روم لائے ہیں۔

موتو اقبل ان تموتوا

''مرنے سے پہلے مر جاؤ''

اور یہ من گھڑت قصہ بھی مولانا روم حدیث بنا کر فارسی قرآن ''مثنوی رومی'' میں لائے ہیں کہ ایک عورت اللہ کے رسول کے پاس آئی۔وہ کافرہ تھی۔اس کی گود میں جو دو ماہ کا بچہ تھا۔اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ آپ پر سلام ہو۔ہم آپ کی طرف آئے ہیں۔ عورت نے کہا: تو (محمد کے رسول ہونے کی) شہادت کیوں دیتا ہے۔یہ تجھے کس نے بتلایا ہے؟ کہنے لگا: اللہ نے اور جبریل نے......اور (دیکھ) وہ تیرے سر پر کھڑے ہیں۔پھر جنت

سے خوشبو آئی۔ اسے دونوں ماں بیٹا نے سونگھا۔

اور صوفیوں کی یہ مشہور حدیث بھی کہ اللہ کے رسول نے فرمایا:

''ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے ہیں۔'' (مثنوی رومی: دفتر اول)

قتال کو یہ صوفی چھوٹا جہاد کہتے ہیں اور باطن کی صفائی کو بڑا جہاد کہتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ نے صحیح بخاری میں واضح طور پر فرمایا کہ جہاد کا کوئی نعم البدل نہیں اور یہ کہ جہاد سب سے افضل عمل ہے اور اسے سرانجام دینے والے کو بھی سب سے افضل قرار دیا ہے۔ پھر جہاد کو اسلام کی کوہان کہا۔ مگر صوفیوں کو بخاری و مسلم اور حدیث کی دیگر کتابوں سے کیا تعلق۔ یقین نہ آئے تو ملاحظہ ہو۔ مولانا روم کا نظریہ بخاری اور مسلم کے بارے میں فرماتے ہیں:

> ''اپنے آپ کو اپنے اوصاف سے صاف کر لے.......... تاکہ تو اپنی پاک صاف ذات کو دیکھے.......... تو دل میں انبیاء کے علوم کو دیکھے.......... بغیر کتاب اور بغیر .... دہرانے والے کے اور بغیر استاد کے۔.......... پیغمبر نے فرمایا! کہ میری امت میں ایک وہ ہے .... جو میرے جوہر اور میری ہمت میں شریک ہوگا.......... ان کی جان مجھے اس نور سے دیکھے گی.......... جس سے میں ان کو دیکھتا ہوں بغیر صحیحین اور احادیث اور راویوں کے بلکہ مشرب کے اندر آب حیات ہے۔''

رومی نے صاف کہہ دیا کہ بخاری مسلم، دیگر احادیث اور راویوں کی چھان پھٹک کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ انبیاء کے علم دل سے ہی دیکھے جائیں گے، اور پھر یہ الزام اللہ کے رسول پر جڑ دیا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ان صوفیوں کی جان مجھے اس نور سے دیکھے گی۔ کہ جس سے میں ان کو دیکھتا ہوں۔ یعنی اب یہ حدیثیں گھڑتے جائیں۔ دل میں بناتے جائیں اور کہتے جائیں کہ علم لدنی، ہے یہ سینہ بسینہ جاری ہے۔ یہ تصوف کے نور سے آیا ہے۔ تو یہ ہے اصل

وجہ کہ جس کی بنیاد پر یہ صوفی حدیثیں گھڑتے ہیں۔ان کی نسبت بے دریغ اللہ کے رسول ﷺ کی طرف کر دیتے ہیں۔حالانکہ آپ ﷺ نے فرمایا!

جس نے میرے ذمہ ایسی بات لگائی جو میں نے نہیں کہی، وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔(بخاری ومسلم)

دور زوال کی تلخ یادگار..........ترک دنیا اور تصوف کا جال:

قارئین کرام! میں مولانا روم کے مرشد، شمس تبریز کے دربار سے نکلا اور بس اڈے کی طرف پیدل چل دیا۔ چلتے چلتے مرکزی شارع پر آ گیا کہ جہاں سے اقبال کے مرشدی رومی کا دربار دکھائی دے رہا تھا۔مگر میرا رخ اب دوسری جانب تھا۔میں چلا گیا حتی کہ ایک چوک پہ آ کر ایک خوبصورت پہاڑی پر چڑھ گیا۔یہ پہاڑی مصنوعی ہے مگر بہت بڑی اور خوبصورت ہے۔اسے ''جبل کیقباد'' کہا جاتا ہے۔اس پر پبلک باغ بنایا گیا ہے اور سلجوقی حکمران سلطان علاؤالدین کیقباد کا محل بھی اس پر ہے، جو بہت بڑا ہے، مگر اب آثار قدیمہ کا ایک شاہکار ہے۔اس پہاڑی سے نیچے اترا تو ایک تاریخی عمارت دکھائی دی میں، اس کے اندر داخل ہوا تو یہ چھوٹا سا عجائب گھر تھا اور سلطان علاؤالدین کا مقبرہ تھا۔اس مقبرے اور عجائب گھر میں ساتویں صدی ہجری کے پتھری نمونے پڑے تھے۔وہ ملاحظہ کیے تو مردوں اور عوتوں کی تصاویر تھیں۔جانوروں کی تصاویر تھیں، یہی دور مولانا روم کا دور ہے اور یہ مسلمانوں کے زوال کا دور ہے کہ جب چنگیز اور ہلاکو نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔اس دور میں تصوف اپنے عروج پر تھا۔قبر پرستی اور اولیاء پرستی انتہاء پر تھی۔ مایوسی کا دور دورہ تھا۔ چنانچہ مایوس لوگ تصوف کی گود میں اسی طرح پناہ لے رہے تھے جیسے بلی کے آنے پر کبوتر آنکھیں بند کر لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں محفوظ ہو گیا ہوں، بالکل اسی طرح مسلمانوں نے جہاد چھوڑ دیا۔تصوف کی نذر ہو گئے۔تلوار تھامنے کے قابل نہ رہے، تب یوں کبوتر کی طرح آنکھیں بند

کر کے کہنے لگے:

''اللہ کی جانب سے اولیاء کو قدرت حاصل ہے کہ وہ چھوڑے ہوئے تیر کو راستہ سے واپس لے آئیں۔'' (مثنوی رومی: دفتر اول)

مولانا روم نے یہ کہہ تو دیا مگر صورتحال کیا تھی۔ابن بطوطہ کا سفر نامہ دیکھ لیں، وہ بھی اسی ساتویں صدی ہجری کا مسافر ہے۔سارا عالم اسلام نام نہاد ابدالوں، قطبوں، غوثوں، ولیوں، قلندروں اور مجذوبوں سے بھرا پڑا تھا۔گدیاں اور درگاہیں بے شمار تھیں۔قبروں سے فیض حاصل کرنے کا سلسلہ لامتناہی تھا۔مگر یہی تو وہ دور ہے کہ جب رب کے عذاب کا کوڑا اسلام کے نام لیواؤں پہ برسا۔چنگیز اور ہلاکو نے اس علاقہ میں سروں کے مینار بنا دیئے۔مگر کوئی ولی کسی تیر کو تو واپس کیا لاتا۔ان کے سینے کفار کے تیروں سے چھید دیئے گئے۔

ایک ولی جو مجاہدوں میں پھنس گیا:

اس دور کی ''مثنوی مولوی'' مولانا روم کی پڑھ لیجئے۔جہاد کی کوئی بات نہ ملے گی۔ایک واقعہ جہاد کا ملتا ہے اور وہ خود بڑا دلچسپ ہے۔مولانا رومی جیسے صوفی کے ہاتھ سے اس دور کی حقیقت ان کے اپنے بیان کردہ واقعہ سے چھلک رہی ہے۔ذرا ملاحظہ ہو۔لکھتے ہیں:

ایک صوفی جہاد کرنے کے لیے ایک لشکر کے ساتھ چلا گیا۔جب جنگ شرع ہوئی تو وہ صوفی لڑائی لڑنے کی بجائے خیمے میں کمزوروں کے ساتھ بیٹھا رہ گیا۔بہادروں نے لڑائی لڑی، وہ مال غنیمت لے کر لوٹے۔اب ان بہادروں نے اپنے مال غنیمت میں سے صوفی کو تحفہ دے دیا مگر صوفی نے نہ لیا اور کہا: میں جہاد سے محروم ہو گیا ہوں۔لہٰذا میں نہیں لیتا۔صوفی پریشان تھا۔اب ان کی پریشانی کو دیکھ کر مجاہدوں نے کہا: اچھا ہم قیدی بھی لائے ہیں، آپ ایک قیدی قتل کر دیں تا کہ آپ غازی بن جائیں۔صوفی یہ سن کر خوش ہوا۔دل کو مضبوط کیا اور رسیوں میں بندھے ہوئے قیدی کو خیمہ کے اس پار لے گیا تا کہ اسے قتل کر کے غازی بن

جائے جب کافی دیر بعد صوفی نہ آیا تو مجاہدین فکر میں پڑ گئے کہ صوفی نہیں آیا۔ چنانچہ وہ صوفی کے پیچھے گئے۔اب مجاہدین کیا دیکھتے ہیں کہ وہ کافر قیدی صوفی پر چڑھا ہوا تھا اور اس کی شہ رگ چبا رہا تھا۔صوفی خون میں لت پت تھا۔صوفی کے ہوش اڑے ہوئے تھے۔اب صوفی کو مجاہدین نے آگے بڑھ کر چھڑوایا اور صوفی سے پوچھا: یہ کیا ہوا؟ صوفی کہنے لگا: جب میں نے قیدی کا سر قلم کرنے کا ارادہ کیا۔تو کافر نے میری طرف گھور کر دیکھا۔چناچہ میرے ہوش اڑ گئے، اب میں اس کی آنکھوں سے ایسا بے ہوش ہوا کہ زمین پر گر پڑا۔المختصر میں اس کی تیکھی نظروں سے بے ہوش ہوگیا۔میں اس میں گر پڑا۔

قارئین کرام! میں اس میں گر پڑا یعنی میں اس میں جا داخل ہوا۔میں تو بن گیا تو میں بن گیا۔وحدۃ الوجود کا گند یہاں بھی کام کرگیا۔صوفی کو کافر میں خدا نظر آ گیا۔لہٰذا وہ اسے خاک قتل کرتا" وہ تو کافر کی آنکھوں کی کشش سے ولایت کی منزلیں طے کرنے لگا۔لہٰذا حالت "سکر" میں وہ قلندرانہ پروازیں کررہا تھا۔یہ تو مجاہدین نے اسے آ کر چھڑوایا وگرنہ وہ جسم کی قید سے چھوٹ کر بے کنار ہو جاتا۔دنیا سے پردہ فرمالیتا اور پھر یہ ابدال اور قلندر شہید بن جاتا۔تب ایک کرنی والے صوفی بزرگ کا اور اضافہ ہو جاتا۔مگر مجاہدین نے عالم اسلام کو ایک بزرگ صوفی سے بچالیا۔ایک نئی پوجا گاہ میں اضافہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔

حاصل کلام:

یہ تھا مثنوی رومی کا خلاصہ۔وہ مثنوی کہ جسے "فارسی قرآن" کہا گیا اور جس میں بھرا ہوا "گند" ہم نے آپ کے سامنے پیش کیا۔ظلم اور افسوس تو اس بات پر ہے کہ یہ گند صدیوں سے دینی مدارس میں پڑھایا جاتا رہا اور آج بھی کئی مدرسوں میں پڑھایا جاتا ہے۔حتیٰ کہ توحید دعویداروں کے بعض مدارس میں بھی اسے نصاب میں شامل رکھا گیا۔ہم نے جب اس پر قلم اٹھایا ہے تو ایسے لوگوں نے اعتراض کیا کہ مثنوی کو اگر پڑھایا جاتا ہے تو محض فارسی زبان

سیکھنے سکھانے کے لیے۔یقین جانئے یہ بات ''عذر گناہ بدتر از گناہ ہے'' کہ ایک ظلم تو یہ کیا گیا کہ مثنوی رومی جیسی خرافاتی کتاب کہ جس میں دین کی تضحیک اور شرک و بدعات کا گند ہے، من گھڑت اور جھوٹی حدیثوں کی بھر مار ہے۔اس گناہ کو ملت کے ان نونہالوں کے سامنے رکھا گیا۔دینی نصاب میں شامل کر کے انہیں پڑھایا گیا جو دین پڑھنے آئے تھے اور اب اس گناہ کا دفاع اس طرح کیا جارہا ہے کہ جی۔فارسی زبان کا یہ ادبی شاہکار ہے، اس وجہ سے پڑھایا جاتا ہے۔

ہیر رانجھا کے نام سے جو کتاب وارث شاہ نے لکھی، اس کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا ہے کہ یہ پنجابی ادب کا شاہکار ہے۔لہٰذا اس پر لوگ P.H.D کررہے ہیں۔گندے ناول اور ڈائجسٹ پڑھنے والے بھی دلیل یہی دیتے ہیں کہ ان کے پڑھنے سے اردو بڑا اچھا ہو جاتا ہے۔انگریزی زبان کی جو کلچر ثقافت نصابی کتابوں میں موجود ہے، اس کے بارے میں اعتراض کیا جائے تو جواب یہی دیا جاتا ہے۔کہ یہ انگریزی کی نظمیں اور نثر کے بند، ادب وثقافت کے شاہکار ہیں۔لہٰذا اس حیثیت سے پڑھائے جاتے ہیں۔یقین جانئے! یہ جوابات پستیوں اور ذلتوں کے شاہکار ہیں۔وگرنہ صدیوں تک جو لوگ زبان کی بنیاد پر مثنوی رومی کا گند طلباء کو پڑھاتے رہے ان سے ہم پوچھتے ہیں: کیا دین سمجھنے کے لیے فارسی بہت ضروری تھی۔حالانکہ دین تو عربی میں ہے، اور چلو یہ بھی مان لیا کہ بہت ضرورت تھی تو پھر ایسا ادبی مجموعہ کیوں نہ تیار کیا گیا کہ جس میں انبیاء علیہم السلام کے قرآنی واقعات ہوتے۔صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات ہوتے اور صحیح احادیث کی تشریحات پہ مبنی ادبی شاہپارے ہوتے............مگر افسوس! دور زوال کا تیار کردہ نام نہاد ادبی شاہپارہ صدیوں تک توحید وسنت کی تعلیمات کو پارہ پارہ کرتا رہا ہے۔ادب کے نام پر بے ادبی کا طوفان مچاتا رہا۔دین کے نام پر دینی مدارس میں بے دینی پھیلاتا رہا اور لوگ ٹھنڈے پیٹوں اسے برداشت کرتے رہے۔زوال اور پستی کے دور کا احیاء کرتے رہے۔آج اس پر اللہ تعالیٰ نے قلم اٹھانے کی توفیق دی ہے تو

زاغوں کا ذکر ہی کیا، ان عقابوں کو بھی اس پہ تکلیف ہوئی ہے، جو عقاب ہو کر بھی زاغوں کے ساتھ اڑ رہے ہیں۔ بلندیوں کی بجائے پستیوں میں جی رہے ہیں۔

قارئین کرام! ان پستیوں پر غور کر رہا تھا اور قونیہ کے صاف ستھرے بازاروں میں سردی سے ٹھٹھرتا، اب میں بس اڈے پر پہنچ چکا تھا۔ یہاں سے ٹکٹ خریدا۔ عشاء کے بعد سوار ہوا اور استنبول کی طرف میری بس چل دی، وہ استنبول کہ جسے سلطان محمد الفاتح نے فتح کیا تھا۔

❀❀❀

بابا فرید کا شعری کلام:

بابا فرید بھی وحدۃ الوجود کے عقیدے کے قائل تھے، اس لیے وہ اپنے کلام میں ''وحدۃ الوجود'' کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اے حسن حقیقی نور ازل
تینوں واجب تے امکان کہوں
تینوں خالق ذات قدیم کہوں
تینوں حادث خلق جہاں کہوں
تینوں عرش کہوں افلاک کہوں
تینوں ناز نعیم جنان کہوں

تینوں تت جماد نبات کہوں
حیوان کہوں انسان کہوں!!
تینوں مسجد مندر دِیر کہوں
تینوں پوتھی تے قرآن کہوں
تسبیح کہوں زنار کہوں
تینوں کفر کہوں ، ایمان کہوں!!

تینوں دسرت ، لچھمن، رام کہوں
تینوں سیتا جی جانان کہوں
بلدیو، جسود، انند کہوں
تینوں کشن کنھیاں کان کہوں

(دیوان فرید کافی نمبر ۹۱: ص ۸۰)

عقیدہ وحدۃ الوجود

لا الہ الا اللہ .... عوام کی توحید ہے
لاموجود الا اللہ .... خواص کی توحید ہے

میری کتاب ''شاہراہ بہشت'' قارئین کو یاد ہوگا کہ اس میں ہم نے ایک پیر کی داستان رقم کی تھی۔ جو غلاظت سے اس درجہ بھرپور تھی کہ دل متلانا شروع کر دیتا تھا۔اس داستان کا لب لباب ''وحدۃ الوجود'' کا عقیدہ تھا۔اسی طرح ''آسمانی جنت اور درباری جہنم'' اور ''مذہبی اور سیاسی باوے'' کے صفحات پر ایسے پیروں کی داستانیں،درباروں اور مزاروں کے مشاہدات،مجاوروں کے انٹرویوز .... پھر وہ صوفی جو شاعر بھی ہوئے ہیں۔ہم نے ان کا کلام بھی ''کتاب وسنت کی کسوٹی'' پر پرکھا تو ان سب کا خلاصہ یہی ہے کہ یہ سب لوگ ''وحدۃ الوجود'' کے علمبردار تھے۔ ان سب میں جو بات مشترک ہے تو وہ ''وحدۃ الوجود'' ہی کا عقیدہ ہے۔اسی طرح سندھ کے علاقے ''تھر'' میں جب میں نے ہندو پنڈتوں اور بھگتوں سے ملاقاتیں کیں،ان کے انٹرویوز کیے۔ان کے مندروں اور ان کی زیارتوں پہ جا کر ان کے بزرگوں کی باتیں سنیں،پھر ان کے مذہب کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ ان کے مذہب اور عقیدے کی بنیاد بھی ''وحدۃ الوجود'' ہے۔ بدھ مذہب کو ملاحظہ کیا تو وہاں بھی ''وحدت الوجود'' ہی دکھائی دیا۔حتی کہ عیسائیت کی طرف نظر کی تو وہاں بھی یہی ''وحدت الوجود'' کا عقیدہ دکھائی دیا۔

ایسی صورتحال میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہندو صوفی،عیسائی صوفی اور مسلمان صوفی کے بیانات کو ذہن میں ازسرنو تازہ کیا جائے.اور پھر آگے کا سفر اختیار کیا جائے تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ صوفی بظاہر کسی مذہب سے بھی تعلق رکھے، بنیادی طور پر وہ ''وحدۃ الوجود'' کے عقیدے کا علمبردار ہوتا ہے۔ جو سب صوفیوں میں مشترک عقیدہ ہے۔

بھگت (ہندو صوفی) سے ایک ملاقات:

میں جب ''تھر'' کا لمبا چوڑا ریگستان گھومنے کے بعد ''تھر'' کے شہر ''عمرکوٹ'' میں پہنچا تو یہاں میرا ہندو ہم سفر ''پربیت'' مجھے ایک بھگت (ہندو صوفی) کے پاس لے گیا۔ بھگت صاحب سے تفصیلی ملاقات ہوئی۔ اپنی گفتگو میں وہ کہنے لگا:

''حمزہ صاحب! آپ نے جو مجھ سے بتوں کی پوجا کا سوال کیا تو میں ان کی پوجا نہیں کرتا، پتھر کو نہیں مانتا۔ باقی جو لوگ پوجا کرتے ہیں ان کو غلط بھی نہیں سمجھتا، کیونکہ یہ بڑے خوبصورت بت جو تراشے گئے ہیں۔ یہ آرٹ ہے، ایک فن ہے اور فن کی تعریف کرنی چاہئے۔''

میں نے کہا:

''بھگت صاحب! جس فن سے عقیدہ ہی خراب ہو جائے، اس کی تعریف کا مطلب تو یہی ہے کہ تعریف کر کے لوگوں کا عقیدہ خراب کیا جائے۔ پتھر بھی تو انسان کا بت ہے۔ انسان اللہ کا ایسا شاہکار ہے جو بولتا ہے اور خوبصورت بھی کمال درجے کا ہے تو کیا......اب انسان، انسان کی پوجا شروع کر دے؟ یہ تو غیر عقلی بات ہے۔''

اس پر بھگت صاحب کہنے لگے:

''انسان میں بھی وہی (خدا ہی) دکھائی دیتا ہے، یہی وجہ ہے ہم کہتے ہیں کہ انسان تو کیا جانور کو بھی دکھ نہ دیا جائے اور یہ چیز تصوف میں ملتی ہے۔ تصوف اور روحانیت کہ جسے آپ کے صوفیوں نے بھی خوب پھیلایا اور بڑھایا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ ''خدا ہر چیز میں سما جاتا ہے۔ لہٰذا ہم تو اسی عقیدہ کے حامل ہیں۔ گرنتھ صاحب جو سکھوں کی مقدس کتاب ہے، اس میں بھی یہی رنگ ہے اور میں تو جب شاہ عبداللطیف بھٹائی کا کلام دیکھتا ہوں تو وہاں بھی یہی رنگ نظر آتا ہے اور مجھے تو وہاں جا کر سکون محسوس ہوتا ہے۔ حمزہ صاحب! آپ جو جنت کی

باتیں کرتے ہیں تو ہمیں اس جنت میں جانے کی کیا ضرورت ہے؟! ہم وہاں چلے بھی گئے تو جا کر کریں گے کیا؟ ہمارا مقصد تو ''نروان'' حاصل کرنا ہے کہ یہ جو ہمارا بار بار جنموں کا چکر چل رہا ہے، اس سے جلد جان چھوٹ جائے۔ہم خدا کے اندر شامل ہو جائیں اور بس۔اب بھی ہر سو ہر چیز میں وہی سمایا ہوا ہے، بس ہمیں ہی الگ الگ چیزیں نظر آتی ہیں اور آخر میں پھر وہی رہ جائے گا۔ہم اس کے اندر جا کر اسی میں شامل ہو جائیں گے۔اسی سے نکلے ہیں اسی میں جائیں گے۔''

قارئین کرام! آپ ہندوازم کا جس قدر چاہیں مطالعہ کر لیں۔اس مذہب کا آخر کار خلاصہ یہی ہے جو بھگت صاحب نے بتلایا ہے اور وہ ہے ''وحدۃ الوجود۔''

عیسائیت میں وحدۃ الوجود کا عقیدہ:

اسی طرح عیسائیوں کے سب سے بڑے ولی ''سینٹ پال'' کہتے ہیں:

''ہم ذات باری میں مسلسل تحلیل ہوتے رہتے ہیں۔ جب ایک شے دوسری میں مدغم ہو جائے تو ان دونوں میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔میں بھی خدا میں تحلیل ہو رہا ہوں اور وہ ذات برحق مجھ میں ہم آہنگ ہو رہی ہے۔قسم ہے اس زندہ جاوید خدا کی! اب مجھ میں اور خالق کائنات میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہا۔ہم دونوں اب ایک ہیں۔'' (بحوالہ مذہب وتجدید مذہب)

عیسائیوں کا ایک اور بڑا ولی سینٹ اگسٹائن ''وحدۃ الوجود'' کے عقیدہ کو اور زیادہ وضاحت کے ساتھ یوں بیان کرتا ہے:

"O my lord went wordering like stranged sheep. Seeking thee with anxious reasoninhg without whilst thou within me -- I sent rond the street and aquares of the city of world seeking thee and I found thee not . Because in vein I sought withot for him who was within myself. "

''میں اے میرے خدا! ایک گم شدہ بھیڑ کی طرح تیری تلاش وجستجو میں مضطرب دلائل کے ساتھ آوارہ گردی کرتا رہا لیکن تو نہ ملا، حالانکہ تو خود میرے اندر موجود تھا۔ میں نے اس دنیا کے شہروں کے تمام کوچوں میں تجھ کو ڈھونڈا، مگر تو نہ ملا۔ میں نے ناحق تیری تلاش اپنے گردوپیش میں کی جب کہ تو خود میرے اندر موجود تھا۔''

(معارف النفس)''بحوالہ وحدت الوجود ایک غیر اسلامی نظریہ)

پچھلے دنوں مدرٹریسا فوت ہوگئی۔وہ ایک عیسائی صوفی عورت تھی۔کیتھولک لوگوں نے اسے ولی''سینٹ'' saint کا درجہ دیا ہے۔اس نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا:

''مجھے ہر انسان میں خدا نظر آتا ہے۔جب میں بے کس کوڑھی کے زخم صاف کررہی ہوتی ہوں تو مجھے لگتا ہے جیسے میں خدا کی خدمت کر رہی ہوں۔کیا یہ خوبصورت تجربہ نہیں ہے؟'' (روزنامہ خبریں۔13/9/97)

اسی طرح لاطینی امریکہ کے ملک کیوبا میں کہ جہاں ابھی تک کمیونسٹ فیڈرل کاسترو کی حکومت ہے، وہاں کا ایک نوجوان چی گویئوارا (Che Guevara) جو تیس سال پہلے قتل کردیا گیا تھا۔اس کی قبر اب دریافت ہوئی ہے۔اس کے ڈھانچے کو قبر سے نکال کر پورے ملک میں گھمایا گیا اور کیوبا کے لوگوں نے اسے''Patronsaint''(نگران ولی) کا نام دیا۔اس کی تصویروں کی پوجا کی جارہی ہے۔

27 اکتوبر کے امریکی ہفت روزہ''نیوز ویک'' نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

"Last year,s winning painting done by a 17 year-old santa clara resident is a dreamy iedealistic image of the atheist Che that looks exactly like the traditional image of Jesus Christ .Its title:"You in me,me in you"

''یعنی پچھلے سال''سانتا کلارا شہر'' کے رہنے والے ایک سترہ سالہ نوجوان نے ''چی'' کی تصویر بنا کر انعام جیتا۔اللہ کے منکر''چی'' کا یہ پورٹریٹ تصوراتی اور مثالی تھا۔وہ واقعی عیسیٰ علیہ السلام کے روایتی تصور کے مطابق دکھائی دیتا ہے۔''

اس پورٹریٹ کا عنوان یعنی اس پر لکھا ہوا ہے:

"You in me, me in you"

یعنی ''جی'' عیسیٰ علیہ السلام کو کہہ رہا ہے کہ:

''ہم دونوں ایک دوسرے میں حلول کر گئے ہیں۔ہم میں کوئی فرق نہیں۔''

تو یوں کیوبا کے عیسائی بھی ''وحدۃ الوجود'' کے نظریے کے تحت ایک ولی بنا کر......پھر اس کے بت بنا کر، اسے پوج رہے ہیں۔

قارئین کرام! ہندوؤں عیسائیوں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کا یہ جو وجودی عقیدہ ہے۔اللہ نے اپنی آخری کتاب میں اس کا رد کیا اور فرمایا:

﴿ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْوَلَمْ يُوْلَدْ۝وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا اَحَدٌ ۝﴾ (سورۃ الاخلاص)

''میرے نبی اعلان کر دو! وہ اللہ ایک ہے۔اللہ بے نیاز ہے۔نہ اس سے کوئی چیز نکلی اور نہ وہ کسی سے نکلا ہے اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔''

افسوس کہ وہ مسلمان جو صوفیت کی راہ پہ چلے۔انہوں نے قرآن کے مندرجہ بالا صاف عقیدے کو بھلا دیا اور ''وحدۃ الوجود'' کی اسی راہ پہ چل کھڑے ہوئے۔جس پہ پہلے مذاہب کے صوفیا چلے تھے۔یہ ''وحدۃ الوجود'' ہی کا عقیدہ تھا جسے اپنا کر منصور حلاج نے ''اناالحق'' (میں خدا ہوں) کا نعرہ لگایا۔

جناب علی ہجویری کہ جنہیں داتا صاحب کہا جاتا ہے، وہ اپنے موقف کی تائید میں جناب شبلی کا ایک قول لائے ہیں۔چنانچہ اس قول کے تحت انہوں نے منصور حلاج کے اس نظریے کی تائید کی اور کہا: ''میں اور منصور حلاج ایک ہی طریق پر ہیں۔''

(''کشف المحجوب بحوالہ وحدۃ الوجود ایک غیر اسلامی نظریہ)

''واقعہ معراج'' کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک صوفی نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو

اپنے وجودی نظریے میں پروتے ہوئے ایک کر دیا...... ملاحظہ ہو فارسی میں صوفیانہ وجودی سوچ!

من تو شدم
تو من شدی
من جان شدم
تو تن شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں
من دیگرم تو دیگری

یعنی:

میں تو ہوگیا
تو میں ہوگیا
میں جان ہوگیا
تو جسم ہو گیا
تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے
میں کچھ اور ہوں تو کچھ اور ہے

مولانا روم نے اپنی مثنوی میں حلاج کی تعریف کی اور مثنوی کی حکایتوں میں ''وحدۃ الوجود'' کے عقیدے کا بار بار کھل کر اظہار کیا۔ غرض آپ ''وحدۃ الوجود'' پہ مشتمل سینٹ اگسٹائن کا بیان بھی ملاحظہ کریں اور بلھے شاہ کا یہ شعر بھی۔

''بلھیا شو اندروں ملیا بھلی پھرے لوکائی''

یعنی ''میں اللہ کو ڈھونڈ ڈھونڈ مر گیا مگر یہ تو میرے اندر ہی سے مل گیا۔ جب کہ لوگ بھول کر نہ جانے کہاں کہاں سے اسے ڈھونڈ رہے ہیں۔''

ظلم پہ ظلم:

مسلمان صوفیا کہ جن کے نام آج بڑے بڑے اور بہت مشہور ہیں، سب وحدۃ الوجود کے علمبردار تھے۔ان کی نثر اور نظم کی کتابیں اس عقیدے کے اظہار سے بھری پڑی ہیں۔ہم نہ تو اس تفصیل میں جانا چاہتے ہیں کہ ان اقتباسات کو درج کریں اور نہ اس تفصیل میں کہ ہندوؤں، عیسائیوں، یہودیوں، بدھ متوں اور سکھوں وغیرہ کے ہاں جو یہ عقیدہ پایا جاتا ہے تو ان کے ولیوں اور بزرگوں کی کتابوں میں ''وحدۃ الوجود'' کی کیا تفصیلات ہیں۔ ہمارا اس وقت موضوع صرف یہ ہے کہ مسلمان صوفیا جب ''وحدۃ الوجود'' کے راستے پر چل کھڑے ہوئے تو انہوں نے سب سے بڑا ظلم یہ ڈھایا کہ قرآن حکیم کی آیات اور احادیث سے ''وحدۃ الوجود'' کو ثابت کرنا شروع کر دیا۔

اگلے صفحات میں ہم پہلے اس بات کا جائزہ لیں گے کہ ''وحدۃ الوجود'' ہے کیا ؟ اور پھر اس بات کا کہ صوفیا حضرات نے جو آیات قرآنی اور احادیث سے استدلال کیا ہے، اس کی کیا حیثیت ہے؟

وحدۃ الوجود کی جڑ:

''وحدت الوجود'' کے عقیدہ کی بنیاد یہ ہے کہ ایک صوفی اللہ کو دیکھنا چاہتا ہے۔اس دید اور دیدار کے لیے اب وہ کوشش شروع کر دیتا ہے۔ان کوششوں کو ریاضت، مشاہدہ اور مجاہدہ وغیرہ کہا جاتا ہے۔اس دید کے لیے وہ گھربار چھوڑتا ہے، جنگل میں رہتا ہے، دنیا سے الگ تھلگ ہو جاتا ہے اور کبھی دنیا بھی ساتھ ساتھ رکھتا ہے مگر ریاضتیں بھی کرتا رہتا ہے۔ یہ ریاضتیں کر کر کے وہ کہہ اٹھتا ہے کہ ''ہر چیز ہی اللہ ہے۔'' اسے ہی ''وحدۃ الوجود'' کہتے ہیں۔ اس کے برعکس قرآن اپنے ماننے والوں کو آغاز ہی سے یہ بات سمجھاتا ہے کہ دیکھو! میں ایسی کتاب ہوں کہ جس میں "لا ریب فیہ"کوئی شک نہیں۔اور دوسری بات یہ نوٹ کرلو کہ

﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ ''یہ پرہیزگاروں کیلیے ہدایت ہے۔''اور پرہیزگار وہی ہے جو ہراس بات سے پرہیز کرے جس سے اس کتاب نے پرہیز کرنے کا کہا ہے۔ اگر وہ پرہیز نہیں کرتا تو اس کی بیماری بڑھتی چلی جائے گی۔قرآن نے پرہیزگاروں کی پہلی خوبی یہ بیان کی ہے کہ:

﴿ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾

''وہ (اللہ) کو بن دیکھے مانتے ہیں۔''

یادرکھئے!اللہ نے اپنی کتاب کے آغاز میں یہ پرہیز اس وجہ سے بتایا کہ چونکہ پہلی قومیں بھی بدپرہیزی کی وجہ سے بیمار ہوکر شرک کے مرض پر مرگئیں۔یہ آخری امت ہے، کہیں یہ بھی اسی بدپرہیزی کا شکار نہ ہوجائے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آغاز ہی میں پرہیز بتا دیا کہ مجھے بن دیکھے ماننا۔میرے دیدار کی تمنا ضرور کرنا مگر اس دنیا میں اس کی کوشش مت کرنا۔

اللہ کے دیدار کے لیے موسیٰ علیہ السلام کا اصرار:

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کرکے بھی سمجھا دیا ہے کہ دیکھو! ہمارا ایک بڑا اولوالعزم پیغمبر موسیٰ علیہ السلام تھا:

﴿ وَلَمَّا جَاءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ﴾

''وہ موسیٰ جب ہمارے مقرر کردہ مقام (کوہ طور) پر آیا اور اس سے اسکے رب نے گفتگو کی۔''

تو وہ مطالبہ کر بیٹھا:

﴿ رَبِّ اَرِنِىْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ﴾

''میرے رب مجھے (اپنا آپ) دکھلا کہ میں ایک نظر تجھے دیکھ سکوں۔''

اللہ نے فرمایا:

﴿ لَنْ تَرٰىنِىْ ﴾

''موسیٰ تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔''

یاد رکھیے! یہاں ہر طرح کی نفی ہے۔ نہ کوئی ظاہری آنکھ سے دیکھ سکتا ہے اور نہ کوئی باطنی آنکھ سے دیکھ سکتا ہے۔ اللہ کریم نے یہ نہیں کہا کہ اے موسیٰ! ظاہری آنکھ سے تو مجھے نہیں دیکھ سکتا، البتہ باطنی آنکھ سے دیکھ سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی طرح کی آنکھ سے بھی نہیں دیکھ سکتا۔ پھر جو اگلا واقعہ ہے اس نے تو مہر لگادی کہ اللہ کا دیدار تو دور کی بات ہے، اس کے انوار کی تجلی کی تاب موسیٰ علیہ السلام جیسا پیغمبر بھی نہیں لا سکتا۔ اب اللہ نے یوں کیا کہ موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ذرا پہاڑ کی طرف دیکھ۔ اگر وہ اپنی جگہ قائم رہا تو، تو مجھے دیکھ لے گا۔ اب اللہ نے پہاڑ پر تجلی کی تو اس تجلی نے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا، اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ یعنی وہ اس تجلی کی تاب نہ لا سکے، حالانکہ یہ تجلی ان پہ نہ پڑی تھی۔ نہ ان کے دل پہ پڑی تھی، یہ تجلی صرف پہاڑ پر پڑی تھی، وہ بھی ریزہ ریزہ ہو گیا اور اس کا عکس جو موسیٰ علیہ السلام پر پڑا تو وہ بھی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ یعنی پہاڑ پہ پڑنے والی تجلی کا عکس بھی موسیٰ علیہ السلام کا دل برداشت نہ کر سکا۔ حالانکہ انکے دل سے صاف شفاف کس کا دل ہو سکتا تھا؟ کہ یہ تو وہ دل تھا جو حضرت جبریل کا سامنا کرتا تھا، یہ تو وہ دل تھا جو وحی الٰہی کی تجلیات کو اپنے اندر سموتا تھا۔ مگر اس کے باوجود یہ دل بھی برداشت نہ کر سکا اور ہوش کھو بیٹھا۔

"صحیح مسلم" کی حدیث ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

حِجَابُهُ النُّورُ لَوْ كَشَفَهَا لَاحْرَقَتْ سَبحَاتُ وَجْهِهِ مَا انْتَهٰى إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ

"اللہ کا پردہ نور ہے، اگر وہ اس پردے کو ہٹا دے تو اس کے چہرہ کی تجلیات اس جگہ تک اس کی مخلوق کو جلا (کر راکھ بنا) ڈالیں کہ جہاں تک اس کی نظر جاتی ہے۔"

اس کے برعکس آج کے صوفی دعوے کرتے ہیں کہ ان کا دل نہ صرف تجلیات کو سموتا ہے۔ بلکہ وہ تو اللہ ہی کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ اس پر یہی کہا جا سکتا ہے۔

''یہ پدی اور پدی کا شوربہ''

پھر اللہ نے آگاہ کیا:

﴿ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبۡحَانَكَ تُبۡتُ اِلَيۡكَ وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴾

''پھر جب ہوش آیا تو موسیٰ علیہ السلام عرض کرنے لگے:

''آپ پاک ہیں، میں جناب کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں۔'' (الاعراف:۱۴۳)

سبحان اللہ! اللہ کی قسم! ایک ایک لفظ قابل غور ہے، موسیٰ علیہ السلام نے ''سبحان'' کا لفظ بول کر یہ بتلایا کہ اے اللہ! ہمارے تصورات سے بھی آپ کہیں اونچے، بالا اور بلند ہیں، اس قدر پر جلال ہستی ہیں کہ ہم دیکھنے سے رہے۔ لہٰذا ہم آپ کو دیکھنے کے سوال سے توبہ کرتے ہیں، اور یہ کہ میں ایمان لاتا ہوں...... وہی بن دیکھے ایمان ......اور میں پہلا مومن بنتا ہوں۔ اس بات پر کہ جناب کو کوئی نہیں دیکھ سکتا......

بصارت، بصیرت، ادراک اور صوفیا:

صوفیوں نے نہ تو قرآن کا بتلایا ہوا ابتدائی پرہیز سامنے رکھا۔ نہ موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ، نہ ان کا بے ہوش ہوکر گرنا ...... پھر ان کی توبہ...... غرض کچھ بھی تو صوفیوں کو دیدار الٰہی کی کوشش سے باز نہ رکھ سکا۔ ایک تیسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے بات مزید واضح کردی:

﴿ لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ وَهُوَ يُدۡرِكُ الۡاَبۡصَارَ وَهُوَ اللَّطِيۡفُ الۡخَبِيۡرُ ﴾

(الانعام : ۱۰۳)

''اس اللہ کو نظریں نہیں پاسکتیں، جب کہ وہ سب نظروں کو پاتا ہے اور وہ انتہائی باریک بین خبردار ہے۔''

یاد رکھیے! ادراک کے معنی کسی چیز کی حقیقت کو پالینے کے ہیں۔ اسی طرح ظاہری آنکھ کو بصارت کہا جاتا ہے تو باطنی یا اندرونی آنکھ کو بصیرت کہا جاتا ہے۔ یعنی ظاہری اور باطنی کوئی

بھی آنکھ اللہ کا ادراک ہی نہیں کر سکتی، نہ اسے دیکھ سکتی ہے اور نہ اس کی قوتوں کا احاطہ کر سکتی ہے، جبکہ وہ ظاہری اور باطنی ہر طرح کی نگاہوں پہ نظر رکھتا ہے، اس لیے کہ وہ لطیف ہے۔

اس قدر واضح آیت آ جانے کے باوجود افسوس ہے کہ قرآن کے ماننے والے صوفی پھر بھی ایک ناممکن کام پر سر دھنتے رہے۔ بد پرہیزی کرتے رہے۔ چنانچہ نتیجہ وہی نکلا جو بدپرہیزی کا نکلتا ہے، وہ ظاہری آنکھوں سے بھی اندھے ہوگئے اور ذائقے کی باطنی آنکھ سے بھی نابینے ہوگئے۔ اب ان کیلیے روسٹ کیے ہوئے تیتر بٹیر، حلوہ، کھیر، فروٹ، دودھ، مٹی، پاخانہ، سڑانڈ زدہ گوبر...... غرض سب کچھ ایک جیسا ہوگیا۔ وہ کہیں گے کہ "یہ سب ایک ہے۔" وہ اس لیے کہتے ہیں کہ ان کی ظاہری آنکھ بھی خراب ہے۔ باطنی آنکھ جو محسوس کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، وہ بھی خراب ہے۔ چنانچہ انہیں تو یہ سب کچھ ایک جیسا ہی دکھائی دے گا۔ یہ ہوا اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اپنی بیماریوں کا علاج نہیں کیا۔ پرہیز نہیں کیا۔ چنانچہ وہ اس حال کو پہنچ گئے۔ اسی طرح صوفیوں نے قرآن کے بتلائے ہوئے پرہیز کو مدنظر نہ رکھا۔ بیماری بڑھتی گئی اور پھر وہ کہہ اٹھے کہ!

لا إله إلا الله .... اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

یہ تو رہی عوام کی توحید۔ ہم چونکہ خواص لوگ ہیں، اس لیے ہماری توحید یہ ہے:

"لا مو جود الا الله .... اللہ کے سوا کوئی موجود ہی نہیں۔"

چنانچہ...... یہ زمین، یہ آسمان، یہ انسان، یہ کتے، یہ خنزیر، یہ درخت، غرض کائنات کی ہر شے خدا ہی تو ہے۔ لہٰذا ہم صوفیوں کو ہر سو کسی شے کا وجود نظر نہیں آتا۔ آتا ہے تو وہ یہی کہ "یہ سب کچھ خدا ہے۔" لہٰذا ہمارا کلمہ اور توحید یہی ہے:

"لا موجود الا الله"

چنانچہ "تذکرۃ الاولیاء" میں ہے کہ جب معروف صوفی بزرگ ابوبکر شبلی فوت ہونے لگے تو ان سے "لا الہ الا اللہ" پڑھنے کو کہا گیا، تو وہ فرمانے لگے:

''جب غیر کا وجود ہی نہیں تو نفی کس کی کروں؟''

یعنی نفی کس کی کروں؟...... ہندوؤں کے بت بھی خدا ہیں، ان کے اوتار بھی خدا ہیں، ابلیس بھی خدا ہے۔ ہر چیز خدا ہے۔ خدا کے سوا کچھ موجود ہی نہیں۔ چنانچہ نفی کس کی کروں؟

اسی بات کو ہندوستان کے صوفی حاجی سید وارث علی شاہ نے یوں بیان کیا ہے:

''ہمارے یہاں مجوسی اور عیسائی سب برابر ہیں، کوئی برا نہیں، جب خدا آسمان پر نہیں ہے بلکہ ہم میں تم میں چھپ کر سب کو دھوکا میں ڈال دیا ہے، تو بس ایک صورت پکڑ لے، خدا مل جائے گا۔ آسمان پر کیا ہے۔؟''

(مشکوٰۃ حقانیت المعروف معارف وارثیہ)

جی ہاں! ''آسمان پر کیا ہے؟'' یہ ایک صوفی کی بات ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلرَّحْمَانُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (سورة طه: ٥)

''رحمان عرش پر جلوہ افروز ہے۔''

اللہ بتاتے ہیں کہ میں عرش پر ہوں اور صوفی بیچارہ اس قدر بیمار ہو چکا ہے کہتا ہے کہ ''آسمان پر کیا ہے؟''

اللہ کی نیک بندی کو اتنا عظیم رتبہ کیوں ملا؟

اللہ کی قسم!......ان سارے صوفیوں کی عقلیں...... بھیڑیں چرانے والی، اس کالے رنگ کی لونڈی...... کے قدموں تلے آنے والے جوتے کی ٹھوکر پر......کہ جس کے بارے میں صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ:

معاویہ بن حکم سلمی کہتے ہیں: احد (پہاڑ) اور جوانیہ (بستی) کے درمیان میری بھیڑوں کا ریوڑ تھا۔ وہاں میری ایک لونڈی بھی تھی۔ (جو ان کو چرایا کرتی تھی) ایک دن مجھے معلوم ہوا کہ اس کے یہاں سے بھیڑیا بھیڑ اٹھا کر لے گیا۔ یہ سن کر مجھے سخت رنج اور افسوس ہوا، جیسا کہ ایک انسان کو ہوتا ہے۔ اس پر میں نے لونڈی

کو ایک تھپڑ رسید کر دیا۔ پھر میں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کا ذکر کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ ناراض ہوئے۔ (کہ تھپڑ کیوں مارا)؟ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کی ناراضی دیکھ کر کہا: اے اللہ کے رسول میں اسے آزاد نہ کردوں؟ فرمایا: اسے بلاؤ۔ میں نے بلا لیا۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: "اَیْنَ اللّٰہِ" اللہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا: آسمان پر۔ پھر پوچھا: "من انا" میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اسے آزاد کردو۔ "فانها مومنة" کیونکہ یہ مومنہ ہے۔

وحدۃ الوجود کے علمبردار و! صوفیو! اور وجودی قوالیوں پہ سر دھننے والو!...... اس عورت نے اللہ کو اللہ کہا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول کہا۔ اللہ کو آسمان پر مانا اور رسول اللہ کو زمین پر تسلیم کیا۔ اس نے وحدۃ الوجود کے نظریے کا بھرکس نکال دیا۔ اس کے تار و پود بکھیر کے رکھ دیے اور قربان جاؤں، اس لونڈی کے ایمان اور عقیدے پر...... کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے ایمان کی گواہی دی، اسے مومنہ ہونے کا سرٹیفکیٹ دیا۔

اللہ تعالیٰ کے لیے صوفیوں کی مثالیں:

وجودی صوفیا اپنے عقیدے "وحدۃ الوجود" کو ثابت کرنے کے لیے اللہ کے لیے طرح طرح کی دنیاوی مثالوں اور تمثیلوں سے کام لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: پانی نمی کی صورت میں فضا میں بھی موجود ہے۔ یہی رات کو شبنم کے قطرات بن جاتے ہیں۔ دن کو پھر یہ سورج کی تپش سے تحلیل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح یہ بادل بن کر برستے ہیں، تو ندی نالوں سے ہو کر دریا میں اور پھر سمندر میں جا کر گرتے ہیں اور سمندر سے ہی یہ بھاپ بن کر اٹھے تھے۔ غرض جہاں سے اٹھے تھے وہیں جا ملے۔ اسی طرح انسان اللہ ہی سے نکلے اور زندہ رہ کر اپنا اپنا کردار ادا کر کے، پھر اللہ ہی میں جا ملتے ہیں۔ پانی ٹھنڈا ہوتا ہے تو برف بن جاتا ہے۔ پگھلتا ہے تو پھر پانی بن جاتا ہے، اصلاً وہ ہوتا پانی ہی ہے...... غرض اس طرح کی وہ بہت سی

مثالیں دیتے ہیں مگر اللہ ان کو ہدایت دے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی مثالیں گھڑتے ہوئے قرآن کو بھول جاتے ہیں کہ اللہ رحیم نے ایسی مثالیں بیان کرنے سے منع فرمایا:

﴿ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾

(النحل: ٧٤)

"اللہ کے لیے مثالیں مت بیان کرو کیونکہ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

اسی طرح سورہ روم میں فرمایا:

﴿وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (روم : ٢٧)

"اور اسی کے لیے آسمانوں اور زمین میں "بلند صفت" ہے۔"

شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ نے "مثل الاعلی" کا ترجمہ "صفت بلند" کیا ہے اور اس آیت کی شرح میں شاہ ولی اللہ رقمطراز ہیں:

"آسمان کے فرشتے نہ کھائیں نہ پیئیں، نہ حاجت بشری رکھیں۔ انہیں سوائے بندگی کے کچھ کام نہیں اور زمین کے لوگ سب چیزوں میں آلودہ، مگر اللہ کی صفت (مثل) نہ ان سے ملے، نہ ان سے۔ وہ ذات پاک (سبحان) ہے۔"

غور فرمائیں! اللہ تعالیٰ بندوں کو منع فرما رہے ہیں کہ میرے لیے مثالیں مت بیان کرو۔ منع اس لیے کیا کہ انسان کا ذہن محدود ہے اور پھر وہ کائنات کے ایک انتہائی چھوٹے سے ذرے زمین پر رہتا ہے۔ وہ زمینی ماحول کے مطابق ہی مثالیں دے گا اور وہ لامحالہ اس کی محدودیت کو لیے ہوں گی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا مگر یہ صوفی بارش کا قطرہ اور موج و سمندر کو لے بیٹھتا ہے اور اللہ کے لیے مثالیں گھڑ گھڑ کر ہر شے کو خدا بناتا جاتا ہے اللہ ہی اسے ہدایت دے۔" یاد رکھیں یہی مثالیں عیسائی لوگ اپنی تثلیث ثابت کرنے کے لیے بیان کرتے ہیں۔

فلسفی اور صوفی:

قارئین کرام! آپ سارا قرآن پڑھ جائیں۔احادیث کا مطالعہ کریں۔صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کو دیکھیں۔کہیں آپ کو یہ نہیں ملے گا کہ اللہ نے کہا ہو۔میری ذات میں غورو فکر کرو۔یا اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی ذات میں غوروفکر کیا ہو۔پھر اپنے باطنی مشاہدات سے آگاہ کیا ہو، یا صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا ہو، یا کسی صحابی نے ایسا کیا ہو۔غرض اللہ کا دین اس چیز سے نہ صرف یہ کہ خالی ہے بلکہ وہ تو اس کا مخالف ہے۔وہ تو یہی کہتا ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور بن دیکھے ایمان لاؤ۔ہاں غور وفکر بھی کرو اور ضرور کرو، مگر اللہ کی مخلوق میں کرو۔اسی سے تم کو اللہ کی عظمت وجلال کا احساس ہوگا۔''پیدا کرنا''اس کی جو صفت ہے اور اس کا عملی اظہار مخلوق کی شکل میں موجود ہے، اس پر تفکروتدبر کرو۔ایسا کرنے کی قرآن خود دعوت دیتا ہے،فرمایا:

﴿ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ﴾ (العنکبوت:۲۰)

''میرے نبی انہیں کہو! زمین میں چلو پھرو۔پھر دیکھو کہ اللہ نے مخلوق کو پہلی بار کس طرح پیدا کیا؟''

اسی طرح فرمایا:

﴿ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ ﴾ (یونس: ۱۰۱)

''کہو! دیکھو۔آسمانوں اور زمین میں کیا کیا (پیدا کیا گیا) ہے۔''

﴿ اُنْظُرُوْا اِلٰى ثَمَرِهٖ اِذَا اَثْمَرَ وَ يَنْعِهٖ ﴾ (الانعام: ۱۰۰)

''ہر ایک (درخت) کے پھل کو جب وہ پھلتا ہے۔اور اس وقت جب وہ پکتا ہے۔غور سے دیکھو!''

قارئین کرام! ان آیات پر غور فرمائیں کہ بیالوجی، اناٹومی، فزیالوجی، جیالوجی وغیرہ سب علوم اس میں آجاتے ہیں، ان سارے علوم کو حاصل کرنے کی قرآن دعوت دیتا ہے۔

ایک مسلمان جب ان علوم کی گہرائی میں اترتا جائے گا تو وہ نئی نئی ایجادات کرتا چلا جائے گا تو ساتھ ساتھ اللہ کی عظمت اور اس کا جلال اس کے ذہن پر نقش ہوتا چلا جائے گا۔

اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ ☆ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴾

(ذاریات : ۲۰،۲۱)

''اور زمین میں بھی یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور خود ان (انسانوں) کے وجود مین بھی، کیا تم دیکھتے نہیں؟''

اب انسان کا جو جسم ہے، اس میں ساری میڈیکل سائنس آجاتی ہے۔اس پر غور کیا جائے تو انسان کے ایک ایک عضو کے اسپیشلسٹ پیدا ہوتے ہیں۔انسانیت کی بھلائی ہوتی ہے اور ساتھ ساتھ اللہ کی عظمت کا احساس ہوتا ہے کہ اس مالک نے کیسا شاہکار بنایا ہے، جسے انسان کہا جاتا ہے۔مگر افسوس قرآن کی یہ راہنمائی چھوڑ کر صوفی حضرات باطنی مشاہدات میں لگے رہے۔وہ اللہ ہی کو ڈھونڈتے رہے۔اس کام میں زندگیاں کھپاتے رہے، خانقاہیں بناتے رہے، کرامات کی کتابیں لکھتے رہے۔چنانچہ نہ انہیں رب ہی ملا اور نہ اس دنیا میں انہوں نے کوئی قابل قدر کام کیا کہ جو انسانیت کی بھلائی میں ہو۔بقول شاعر ؎

''نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم''

بلکہ یہ لوگ جو کر گئے۔اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج امت مسلمہ کا ایک بڑا حصہ ان کی قبروں کی پوجا پہ لگا ہوا ہے۔ظاہر ہے اللہ نے جس کام سے روکا تھا، جب ان لوگوں نے وہی کیا تو اس کا انجام یہی ہونا تھا۔سو وہ آج ہمارے سامنے ہے کہ صوفی حضرات کی قبریں...... بقول علامہ اقبال ؎

مانند بتاں پجتے ہیں کعبے کے برہمن

اور رہے فلسفی تو جو نرے فلسفی تھے، وہ اللہ میں غور کر کے ملحد ہو گئے، زندیق بن گئے، گمراہ ہو

کرنا مراد مر گئے۔ یوں فلسفیوں اور صوفیوں نے الحاد بھی پھیلایا اور شرک کو بھی خوب رواج دیا۔

قرآن وحدیث سے ''وحدۃ الوجود'' کو ثابت کرنے کی جسارتیں:

''وحدۃ الوجود'' کے عقیدہ کے مطابق ہر چیز خدا ہے۔ چنانچہ جب ہر چیز خدا ٹھہری تو مومن اور کافر، جنت اور جہنم، نیکی اور بدی، پاک اور ناپاک، ظالم اور مظلوم، انسان اور حیوان کے درمیان کوئی فرق نہ رہا کہ یہ تو سب خدا ہیں۔ تصوف کا یہ عقیدہ رکھ کر اس باطل عقیدے کو صوفیوں کا قرآن سے ثابت کرنا بہت بڑی بے عقلی ہے کیونکہ قرآن تو ان ساری چیزوں میں فرق اور امتیاز کرتا ہے۔ وہ تو ابلیس کو راندہ درگاہ قرار دیتا ہے۔ کافروں کو جہنم اور مومنوں کو جنت کی نوید سناتا ہے۔ بہر حال ...... چونکہ صوفیوں نے یہ غیر عقلی کام کیا ہے اور ایک دنیا اسے اپنا عقیدہ بنائے ہوئے ہے، اس لیے ہم صوفیوں کے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں۔

صوفیا کی پہلی دلیل اور اس کا رد:

صوفی حضرات ''وحدۃ الوجود'' کو ثابت کرنے کے لیے یہ آیت پیش کرتے ہیں:

﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ﴾ (البقرہ: ۱۸٦)

''(میرے رسول! ﷺ) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں (تو انہیں آگاہ کردو) کہ میں قریب ہوں۔ ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا (قبول کرتا) ہوں۔ لہٰذا ان کو چاہئے کہ وہ میری بات مانیں اور میرے ساتھ ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔''

صوفی حضرات اس آیت میں ''قریب'' کے لفظ سے اپنا عقیدہ ثابت کرتے ہیں۔ جب وہ ایسا کرتے ہیں تو وہ دراصل وحدۃ الوجود ہی کی ایک قسم ''حلول'' کو ثابت کرنا چاہ رہے ہوتے ہیں۔ ''حلول'' بھی صوفیوں کی اصطلاح ہے، جس کا مطلب ہے اللہ کا کسی بندے میں

حلول کر جانا۔اب ان سے کوئی پوچھے کہ قریب کے لفظ سے حلول کا مطلب کہاں سے نکل آیا؟ قریب کا تو مطلب یہی ہے کہ ایک وجود دوسرے کے قریب ہوا، مگر دونوں الگ الگ ہیں۔ پھر کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ مشرکین قریش نے جو مورتیاں بنائی ہوئی تھیں وہ ان کے بزرگوں کی تھیں، اور وہ ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا کرتے تھے:

﴿ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآءُ نَا عِنۡدَاللّٰهِ ﴾ (یونس : ۱۸)

''یہ (بزرگ) اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔''

اب چونکہ عقیدے کا یہ چلن عام تھا کہ اللہ ان بزرگوں کے واسطے ہی سے ہماری فریادیں سنتا ہے لیکن جب اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں یہ بتلایا کہ واسطوں، وسیلوں اور سفارشیوں کی کوئی ضرورت نہیں تو لوگوں کو ذرا تعجب ہوا اور انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا: کیا واقعی اللہ براہ راست ہماری فریادیں سن لیتا ہے؟ تو اللہ نے یہ آیات نازل فرما کر لوگوں کا عقیدہ درست کیا۔مگر افسوس کہ صوفیوں نے اس توحیدی آیت سے وجودی اور حلولی عقیدے کو ''ثابت'' کرنے کی جد وجہد کر کے شرک پھیلانے کی کوشش کر ڈالی۔

یاد رہے! یہ لفظ قرآن میں تقریبا۹۶ مقام پر آیا ہے، مگر وہ معنی کہیں بھی نہیں نکلتا جو وجودی صوفیا نکالنا چاہتے ہیں۔

صوفیا کی دوسری دلیل اور اس کا رد:

اس سے ملتی جلتی ایک اور آیت صوفی حضرات پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے بھی ''وحدۃ الوجود'' کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے، آیت یہ ہے:

﴿وَلَقَدۡ خَلَقۡنَاالۡاِنۡسَانَ وَنَعۡلَمُ مَاتُوَسۡوِسُ بِهٖ نَفۡسُهٗ وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ﴾ (سورۃ ق : ١٦)

''بلاشبہ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے دل میں جو خیال آتے ہیں، ان تک کو جانتے ہیں اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔''

یادر کھیۓ! قر آنی آیات خودایک دوسرے کی تفسیر بیان کرتی ہیں اوراگرقر آن ایسی کوئی تفسیر کردے تو پھر اللہ کی بیان کی ہوئی تفسیر پر کسی دوسری تشریح اور تفسیر کیسے تسلیم کی جاسکتی ہے؟

اب اللہ نے خود ''سورۃ طٰہٰ'' میں فرمادیا کہ میں عرش پر مستوی ہوں اور جب رحمان عرش پر جلوہ افروز ہے تو ظاہر ہے یہاں جو معنی لیا جائے گا وہ یہی کہ وہ رحمان اپنے علم کے اعتبار سے اپنے بندوں کے قریب ہے اور ''رگ'' جو گوشت میں لپٹی ہوتی ہے۔ اللہ اس گوشت سے بھی زیادہ اپنے بندے کے قریب ہے اور اس بات کو آیت کا سیاق وسباق بھی واضح کررہا ہے۔ اللہ تعالیٰ بتلا رہے ہیں کہ انسان کو ہم ہی نے تو بنایا ہے اس لیے ہم تو اس کے دل کے خیال تک کو جانتے ہیں اور یہ کہ ہم تو اس کی شہ رگ سے بھی قریب ہیں۔ اب بتلایۓ! اس سے صوفیوں کا گندہ اور غلیظ عقیدہ ''وحدۃ الوجود'' کیسے ثابت ہوگیا؟ جب کہ تمام مفسرین نے بھی قرب کے لفظ سے یہی مراد لیا ہے کہ ''اللہ اپنے علم کی وجہ سے قریب ہے۔ مزید برآں ''نعلم'' کا لفظ بھی واضح کررہا ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کے اعتبار سے شہ رگ سے بھی قریب ہے۔

صوفیا کی تیسری دلیل اور اس کا رد:

اسی طرح صوفی حضرات قرآن کی ایک دوسری آیت کا ٹکڑا

﴿ وَهُوَ اللّٰهُ فِيُ السَّمٰوٰاتِ وَفِيُ الْاَرْضِ ﴾

''اور وہی اللہ ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی۔''

لے کر دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ آسمانوں اور زمین میں حلول کیے ہوئے ہے۔ حالانکہ اسی آیت کا اگلا حصہ یہ صوفی حضرات چھوڑ دیتے ہیں اور وہ یہ ہے:

﴿ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَاتَكْسِبُوْنَ ﴾ (الانعام : ۳)

''یعنی وہ اللہ اپنے علم کے اعتبار سے آسمانوں اور زمین میں ہے۔''

تمہاری پوشیدہ اور کھلی باتوں کا علم رکھتا ہے اور جو تم کرتے پھر رہے ہو اس کا بھی علم رکھتا ہے۔

یعنی پوری آیت پڑھی جائے تو صوفیوں کے عقیدے ''وحدۃ الوجود'' کا تارو پود بکھر جاتا ہے اور اس آیت کے آخری حصے میں دوبارہ ''یعلم'' کا لفظ لاکر اللہ نے یہ بات طے کر دی کہ وہ اپنے علم کی صفت سے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ اسے جانتا ہے۔ تم زمین سے اڑ کر چاند پر......یا مستقبل میں مریخ یا کسی اور سیارے پر بھی پہنچ جاؤ۔ اللہ سب جانتا ہے۔ زمین میں بھی اور آسمان میں بھی، کہ کون کہاں کیا کر رہا ہے؟ اس میں جنات بھی شامل ہیں اور فرشتے بھی۔ غرض اللہ کی جو بھی مخلوق جہاں بھی ہے، سب اس کے احاطہ علم وقدرت میں ہے۔

چوتھی دلیل اور اس کا رد:

اٹھائیسویں پارے کی آیت جس سے صوفی حضرات ''وحدۃ الوجود'' ثابت کرنے کی ناکام اور مذموم کوششیں کرتے ہیں، اس طرح ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ، مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ○ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (المجادلہ : ۷)

''کیا تم نے دیکھا نہیں کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ علم رکھتا ہے، جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ نہیں ہوتی سرگوشی تین (آدمیوں) میں مگر وہ (اللہ) ان میں چوتھا ہوتا ہے، اور نہ پانچ (میں سرگوشی ہوتی ہے) مگر وہ (اللہ) ان میں چھٹا ہوتا ہے۔ غرض وہ اس سے کم ہوں یا زیادہ۔ جہاں کہیں بھی وہ ہوں۔ اللہ ان کے ساتھ ہوتا

ہے۔ پھر وہ انہیں قیامت کے دن بتلا دے گا کہ جو جو کام انہوں نے کیے ہیں۔
بلاشبہ اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔''

قارئین کرم! اس آیت میں صرف ''مع'' کا لفظ لے کر صوفیوں نے ''وحدۃ الوجود'' کو ثابت کرنا چاہا۔لیکن آیت میں جو بات ہورہی ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ لوگوں کو قیامت کے دن ان کے اچھے اور برے اعمال بتلا دے گا، کیوں کہ دنیا میں وہ جتنی بھی چھپ کر بات کرلیں۔سرگوشیاں کرلیں۔اللہ سب جانتا ہے۔اور شروع میں ''یعلم'' کا لفظ لا کر اور آخر میں ''علیم'' کا لفظ لا کر اللہ نے بات واضح کردی کہ وہ علم کی صفت کے ذریعے اپنے بندوں کے ساتھ ہے۔یاد رہے اسی طرح کی بات اللہ کے رسول نے بھی اس وقت کہی تھی جب آپ کافروں سے چھپ کر ہجرت کررہے تھے۔غارِ ثور میں جب دشمن قریب آ گئے تو صدیق اکبر ؓ ذرا گھبرائے، اس پر اللہ کے رسول انہیں یہ کہہ کر تسلی دی:

لَاتَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا

''غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

یعنی اللہ کی نصرت اور مدد ہمارے ساتھ ہے ......تو یہاں ''مع'' کا معنی مدد اور نصرت کے معنوں میں ہے اور اس معنی کو اللہ کے رسول ﷺ کا جملہ خود متعین کررہا ہے۔

پانچویں دلیل اور اس کا رد:

اسی طرح ایک اور آیت جسے صوفیا حضرات ''وحدۃ الوجود'' کے اثبات کے لیے پیش کرتے ہیں، یہ ہے:

﴿ وَلِلّٰہِ الۡمَشۡرِقُ وَالۡمَغۡرِبُ فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ﴾ (البقرہ : ۱۱۵)

''مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں لہٰذا تم جس طرف بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ کی ذات ہے۔بلاشبہ اللہ وسعت والا جاننے والا ہے۔''

اگر وجودی صوفیا اس آیت سے وحدۃ الوجود ثابت کرتے ہیں تو پھر کسی سمت کی جانب بھی منہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کہہ دیتے کہ میں تو تمہارے اندر ہوں، لہٰذا سمت کیسی؟اور پھر آیتِ کا آخری حصہ جو آیت کے مضمون کا خلاصہ ہوتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے ''واسع علیم'' اپنی وسعت اور علم کا تذکرہ کرکے پھر بتلا دیا کہ اللہ ہر جانب ہے، ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، غیر محدود ہے، مگر اپنی صفت علم کے ذریعہ۔

چھٹی دلیل اور اس کا رد:

ایک اور آیت جسے وجودی صوفیا بہت زیادہ دھڑلے کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے!

﴿ هُوَالاَوَّلُ وَالاَ خِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ،وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾

(الحدید : ۳)

''وہ اول ہے اور آخر ہے۔ظاہر ہے اور باطن ہے اور وہ ہر شے کو جاننے والا ہے۔''

قارئین کرام!اول کا معنی تو واضح ہے کہ جب کوئی اور کچھ نہ تھا تو سب سے اول اللہ تھا اور جب سب ہلاک ہوجائیں گے،فنا ہو جائیں گے تو آخر میں اللہ ہی ہوگا۔ جہاں تک لفظ ظاہر کا تعلق ہے تو ظاہر کی تفسیر خود اللہ کے رسول ﷺ کی زبان سے منقول ہے، کہ جن پر یہ قرآن نازل ہوا تھا۔

صحیح مسلم کی حدیث ہے۔آپ ﷺ اللہ سے دعا کرتے ہوئے اپنے رب کی شان یوں بیان کرتے تھے:

وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ

''اور تو ہی غالب ہے لہٰذا تیرے اوپر کوئی شے نہیں۔''

ظاہر......غالب کے معنوں میں قرآن وحدیث میں اور بھی کئی جگہ پر استعمال ہوا ہے۔

ظاہر کا دوسرا معنی یہ بھی ہے کہ جو چیز نظروں کے سامنے ہے۔غرض اللہ اپنی صفات کے ذریعہ بندوں کے سامنے ہے۔اس کی صفت خلق ہر انسان کو دکھائی دیتی ہے۔رہا باطن کا مطلب تو وہ بھی واضح ہے کہ اے انسانو! اللہ تمہاری نظروں سے اوجھل ہے، تمہیں نظر نہیں آتا، نہ تم اسے دیکھ سکتے ہو۔لہٰذا بن دیکھے ہی ایمان لاؤ۔اور اس آیت کے آخری ٹکڑے میں واضح کر دیا کہ وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔یعنی وہ اپنی صفت ''علم'' کے سبب سب کچھ جانتا ہے اور پھر اس سے اگلی آیت میں آسمانوں اور زمین کو بنانے کا تذکرہ کر کے فرمایا:

﴿ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾

''پھر وہ عرش پر جلوہ افروز ہوا۔''

قارئین کرام! غور فرمائیں وجودیوں کا وجودی نظریہ تو اس آیت سے باطل ہو رہا ہے، نہ کہ ثابت ہو رہا ہے۔

ساتویں دلیل اور اس کا رد:

وجودی صوفیا یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں:

﴿ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ،وَمَارَمَيْتَ اِذْرَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی﴾ (الانفال: ۱۷)

''تم نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انکو قتل کیا اور تم نے (کنکریاں) نہیں ماریں بلکہ اللہ نے ماریں تھیں۔''

ہم یہاں وجودی صوفیوں سے سوال کرتے ہیں کہ تمہارے عقیدے کے مطابق تو قتل کرنے والا بھی خدا ہی ہے اور قتل ہونے والا بھی خدا ہے، جیسا کہ مولانا جلال الدین رومی نے اپنی مثنوی میں ایک حکایت بیان کرتے ہوئے کہا ہے۔مختصر یوں ہے کہ ایک صوفی بھی مجاہدوں کے ساتھ چلا گیا۔مجاہد قتال کر کے آگئے، مگر یہ خیموں ہی میں بیٹھا رہا۔آخر کار مجاہدوں نے اسے ایک کافر قیدی دیا کہ جا اور اسے قتل کر کے آجا۔مگر کافی دیر بعد صوفی نہ

آیا۔ اب مجاہدین وہاں گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ صوفی نیچے ہے اور کافر اس کے اوپر بیٹھ کر اسے زدوکوب کررہا ہے۔ مجاہدین نے صوفی کو چھڑوایا اور سبب پوچھا تو صوفی کہنے لگا: میں نے جب کافر کی طرف دیکھا تو مجھے اس میں خدا نظر آیا۔

تو جناب صوفیوں کا یہ ہے عقیدہ کہ بزعم خود یہ خود بھی خدا ہیں اور یہ خداؤں کو کیا قتل کریں گے؟ اور اس آیت میں تو قتل ہورہا ہے۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ کافر کا قتل کرنا جو ان کے مذہب ''وحدۃ الوجود'' کے خلاف ہے۔وہ اس قتل والی آیت سے دلیل کیوں پکڑتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ کا ایک انداز ہے کہ مجاہدو! ٹھیک ہے تم لڑائی کررہے تھے۔ جہاد کررہے تھے۔ قتال کررہے تھے...... مگر نشانے درست لگانا۔ کافروں کی موت کا فیصلہ کرنا۔ یہ تو میرا ہی کام ہے۔ چنانچہ اللہ نے اس کی نسبت اپنی طرف کردی اور یہ مجاہدین کے ساتھ محبت بھی ہے کہ ان کے کام کی نسبت اللہ تعالیٰ اپنی طرف کررہے ہیں اور مدد کی نوید بھی ہے کہ یہ محض میری نصرت کے ساتھ ایسا ہوا۔ فرشتے اترے اور انہوں نے بدر میں مشرک اڑا ڈالے۔ اب یہ ایک انداز اور اسلوب ہے۔ مگر اس سے بدذوق لوگوں نے وحدۃ الوجود ثابت کرنا شروع کردیا۔

قارئین کرام! طوالت کے ڈر سے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں، وگرنہ صوفی حضرات جن دیگر آیات سے اپنا عقیدہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان پر ان کے دلائل مندرجہ بالا دلائل سے بھی کہیں زیادہ مضحکہ خیز ہیں۔

احادیث جن سے غلط استنباط کیا جاتا ہے:

① صحیح بخاری کی حدیث ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''جو کوئی میرے ولی (دوست) کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے، میری طرف سے اس کے خلاف اعلان جنگ ہے اور میں نے جو احکام بندے پر فرض کیے ہیں، وہی میرے تقرب کے لیے مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ میرا بندہ نوافل کے

ذریعہ مجھ سے برابر قریب ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔لہٰذا میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔''

② اسی مفہوم کی ایک اور حدیث صحیح بخاری و مسلم میں یوں ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میرا بندہ میرے متعلق جیسا گمان رکھتا ہے اسی کے مطابق میں اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں۔جب وہ مجھے یاد کرتا ہے، تو اگر دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا ذکر جماعت میں کرتا ہے تو میں ان سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ ایک بالشت میری جانب بڑھتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں دو ہاتھ قریب ہو جاتا اور جو شخص میری جانب چل کر آتا ہے میں اس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں۔''

③ ''صحیح مسلم'' میں ہے کہ جو قیامت کے دن ایک منظر کے بارے میں ہے جو یوں بپا ہوگا۔اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں سے کہے گا: اے آدم کے بیٹے! میں بیمار تھا تو نے میری بیمار پرسی نہ کی۔بندہ عرض کرے گا: میں جناب کی بیمار پرسی کیسے کرسکتا تھا؟ کہ آپ تو رب العالمین ہیں۔اللہ فرمائے گا: میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو نے اس کی عیادت نہ کی۔اگر تو اس کی عیادت کو جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے نہ کھلایا۔بندہ عرض کرے گا: میرے رب! میں تجھے کیسے کھانا کھلا سکتا؟ کہ آپ سارے جہانوں کو پالنے والے ہیں۔اللہ فرمائے گا: کیا تو نہیں جانتا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا؟ مگر تو نے نہیں کھلایا۔کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو اسے کھانا کھلاتا

تو اسے میرے پاس پاتا۔اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا مگر تو نے نہ پلایا۔بندہ کہے گا: اے میرے رب! میں تجھے کیسے پانی پلاتا کہ آپ رب العالمین ہیں؟ اللہ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا مگر تو نے اسے نہ پلایا۔کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اسے پانی پلا دیتا تو اسے میرے پاس پاتا۔"

قارئین کرام! ان تینوں احادیث میں بڑا سادہ اور آسان سا تمثیلی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ جو ہر ایک کی سمجھ میں آتا ہے۔پہلی حدیث کا مطلب واضح ہے کہ بندہ اللہ کے قریب انہی احکامات کے ذریعہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر فرض کیے ہیں۔ جب بندہ ایسے کام کرتا ہے تو اللہ اس کا کان بن جاتا ہے۔یعنی وہ بندہ وہی چیز سنتا ہے جو جائز ہے۔ وہ گانے نہیں سنتا، چغلی نہیں سنتا۔اسی طرح آنکھ بننے کا مطلب ہے کہ وہ اپنی آنکھ سے وہی چیزیں دیکھتا ہے جو اللہ نے دیکھنا جائز قرار دی ہیں۔ اور پاؤں بن جانے کا مطلب بھی یہی ہے ...... یہ ایک تمثیلی انداز ہے۔اسی طرح دوسری حدیث میں اللہ کے آگے بڑھنے اور دوڑنے کا جو ذکر ہے۔اس سے یہ بات تو ثابت ہوتی ہے کہ اللہ اپنے بندے سے الگ ہے، تبھی تو دوڑ رہا ہے۔یعنی وحدۃ الوجود کا تو بطلان ہے۔رہا یہ انداز ......تو یہ انداز اسی طرح کا ہے جس طرح کہ صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔"

اب اگر کوئی تلواروں کا سایہ کر کے نیچے سے جنت ڈھونڈنا شروع کر دے، زمین کھودنا شروع کر دے، تو سب لوگ اسے بے وقوف کہیں گے۔مطلب یہی ہے کہ تلواریں چلاؤ۔ خون پیش کر کے شہید ہو جاؤ......اور پھر جنت پا جاؤ۔تو اللہ کا کان بننا، آنکھ بننا اور دوڑنا، یہ سب اسی طرح کا تمثیلی انداز ہے جو بندوں کو سمجھانے کے لیے ہے اور تیسری حدیث بھی اسی طرح کی ہے۔مطلب واضح ہے کہ انسان دوستی کے کام کیے جائیں۔مہمان نوازی کی صفت

پیدا کی جائے اور اگر یہ صفات پیدا ہو جائیں تو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے! تو اگر عبادت کرتا ہے۔ اپنے بھائی کی مہمان نوازی کرتا، تو مجھے تو اپنے پاس پاتا۔ مطلب یہ کہ میں تجھے اور زیادہ دیتا۔ میں تیری مدد کرتا۔ میں تیرے رزق میں اضافہ کرتا۔ مگر افسوس! کس قدر کور چشمی اور بدذوقی کی انتہا ہے کہ ان صوفیوں نے اللہ کی اپنے بندے کے ساتھ محبت وشفقت کے ان عظیم شاہکار شہہ پاروں میں سے ''وحدۃ الوجود'' کا گند برآمد کرنے کی کوشش کرڈالی۔ جس میں بندے اور خالق کے درمیان امتیاز ہی نہیں بلکہ ہر شے خدا ہے۔ تو جناب ......کہاں! رب اور بندے کا محبت بھرا باہمی تعلق......اور کہاں ''وحدۃ الوجود'' کے گندے نظریے کا گند، کہ جس میں ہر شے خدا بن جاتی ہے۔

④ بخاری و مسلم میں مروی ایک اور حدیث۔ جس کی بنیاد پر صوفی حضرات ''وحدۃ الوجود'' کو ثابت کرنا چاہتے ہیں، اس طرح ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اس کی صورت پر ساٹھ ہاتھ پیدا کیا تو فرمایا: جاؤ اور اس جماعت کو سلام کرو اور وہ فرشتوں کی ایک جماعت تھی جو بیٹھی ہوئی تھی۔ جس طرح وہ تمہیں سلام کریں، اسے غور سے سنو: وہ تیرے لیے اور تیری اولاد کے لیے ''سلام'' ہے۔ آدم علیہ السلام گئے اور کہا: السلام علیکم......فرشتوں نے جواب دیا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ انہوں نے جواب میں ''ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کا اضافہ کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں داخل ہونے والے سب کے سب آدم علیہ السلام کی صورت پر ساٹھ ہاتھ کے ہونگے۔ پھر آدم علیہ السلام کے بعد آج تک لوگوں کے قدکم ہوتے چلے گئے۔

قارئین کرام! اس حدیث کے آغاز میں جو الفاظ ہیں ''خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ'' اس کا ترجمہ صوفی حضرات یہ کرتے ہیں کہ ''اللہ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا'' حالانکہ اس کا سیدھا سادا ترجمہ وہی ہے جو ہم نے کیا۔ کتاب وسنت کی تعلیمات کے مطابق

یہی ترجمہ ہے اور سلف نے اسے ہی روا رکھا۔مگر صوفیوں نے ''ہ'' کی ضمیر کو آدم علیہ السلام کی طرف لوٹانے کی بجائے اللہ کی طرف لوٹا دیا۔قابل غور بات تو یہ ہے کہ قرآن تو اللہ کے لیے مثالیں بیان کرنے سے بھی منع کرتا ہے۔کجا یہ کہ انسان کی صورت ہی کو اللہ کی صورت قرار دے دیا جائے؟ یہ تو اللہ کے لیے مثال بیان کرنے کے گناہ سے کہیں زیادہ بڑا گناہ ہے۔اللہ تعالیٰ امت کو گناہوں سے بچائے اور درست عقیدہ کی توفیق عطا فرمائے۔ظالم وجودی صوفیوں نے تو یہاں تک ظلم ڈھایا کہ انسان کی صورت کو اللہ کی صورت قرار دے کر...... پھر قرآن کی یہ آیت پیش کی:

﴿فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْالَهٗ سٰجِدِیْنَ﴾ (الحجر:۲۹)

''(اللہ نے فرشتوں سے مخاطب ہوکر کہا) پھر جب میں آدم کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح (جان) پھونک دوں (وہ زندہ ہو جائے) تو تم سب اس کی (تعظیم کے) لیے سجدے میں گر پڑنا۔''

اور پھر قارئین کرام! انہوں نے روح کو اللہ کی روح قرار دے کر یہ ثابت کیا کہ انسان میں اللہ داخل ہوگیا۔حالانکہ اللہ نے فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ ﴾

''اور ہم نے بنی آدم کو عزت عطا فرمائی۔''

تو محض حضرت انسان کی عزت وتکریم کے لیے فرشتوں سے سجدہ بھی کرایا اور اس میں جو روح (جان) ڈالی تو اسے تکریماً ''روحی'' یعنی اپنی روح قرار دیا۔یاد رہے اس جیسی نسبت کو اصطلاح میں ''اضافت تشریفی کہا جاتا ہے''۔یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح کعبہ کو اللہ تعالیٰ نے ''بیت اللہ'' کہا۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ اس گھر میں آرہتا ہے۔اسی طرح اللہ نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ''ناقۃ اللہ'' کہا، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس اونٹنی پر سوار ہوتے ہیں۔یا اس کا دودھ پیتے ہیں۔(نعوذ باللہ) یہ محض عزت وتکریم دینے کے لیے

کہا۔ بالکل اسی طرح آدم علیہ السلام میں اللہ نے جو جان ڈالی تو آدم علیہ السلام کی روح کو اپنی روح قرار دیا۔ یہ بطور تکریم اور عزت کے ہے۔اللہ تعالیٰ صوفیوں کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ان ظالموں نے......ایک تو ظلم یہ کیا کہ قرآن وحدیث سے وحدۃ الوجود ایسے عقیدے کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی۔ دوسرا پھر انہوں نے یہ ظلم کیا کہ من گھڑت حدیثوں کا سہارا لیا۔ جیسا کہ...... یہ من گھڑت روایت کہ

''میں آسمان اور زمین میں نہ سما سکا مگر مومن کے دل میں سما گیا''

ارے ظالم! محض اللہ کی تجلی سے پہاڑ تو ریزہ ریزہ ہوگیا ......اور تیرے دل کی دو چھٹانک کی بوٹی میں اللہ آ گیا!!......اور تو ابھی تک سلامت ہے!......؟ حقیقت یہ ہے کہ تب تو تیری بھاری لاش کو پھٹنا چاہئے تھا اور اس کو ایٹموں میں تبدیل ہونا چاہئے تھا، جب کہ تو ابھی تک پانچ من کی لاش...... ''وحدۃ الوجود'' کا گند پھیلاتا ہی چلا جا رہا ہے۔

⑤ ایک اور من گھڑت روایت کو جسے ان صوفیوں نے حدیث قرار دیا۔ یوں ہے:

''میں ایک مخفی خزانہ تھا، جسے کوئی نہ جانتا تھا۔ میں نے پسند کیا کہ جانا جاؤں چنانچہ میں نے مخلوق کو تخلیق کیا اور ان کو اپنی پہچان دی۔ پھر انہوں نے مجھے پہچان لیا۔''

قارئین کرام! یہ من گھڑت روایت ہے۔جس میں اللہ کی شان بے نیازی کہ ''اَللّٰہُ الصمد'' (اللہ بے نیاز ہے) پر صوفیوں نے کلہاڑا مار دیا ہے۔ظالمو! کیا میرا اللہ اس بات کا محتاج ہے کہ اسے کوئی جانے؟ یقیناً نہیں ......بالکل نہیں ......میں مزید کوئی تبصرہ کرنے کی بجائے بس اپنے اللہ ہی کی بات پر اس موضوع کو ختم کروں گا۔

﴿ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا تَصِفُوْنَ ﴾ (الصافات : ١٥٩)

''میرا اللہ بہت بالا وبلند اور پاک ومنزہ ہے ان لوگوں کے عقائد ونظریات اور باتوں سے کہ جو وہ میرے مولا کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔''

نوٹ:

''وحدۃ الوجوذ'' کے گند اور غلاظت کے پیش نظر سرہند کے ایک بزرگ جناب مجدد الف ثانی نے ''وحدۃ الوجوذ'' کے مقابلے میں ایک نیا صوفیانہ فلسفہ وحدۃ الشہوذ'' ایجاد کیا......تو یہ بھی ایک بزرگ کی ایجاد ہے۔ کتاب وسنت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ ''وحدۃ الوجوذ'' ''وحدۃ الشہوذ'' اور ''حلول'' وغیرہ سب غیر اسلامی اور صوفیانہ فلسفے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے بچائے اور توحید وسنت پہ گامزن فرمائے۔ (آمین)

اللہ کا دیدار:

جو لوگ یہاں بن دیکھے اللہ کو مانتے ہیں، پکے مومن وموحد ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ اپنا دیدار کروائیں گے، مگر قیامت کے دن۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ ☆ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾ (القيامة : ٢٢، ٢٣)

''بعض چہرے اس روز (قیامت کے دن) تروتازہ ہوں گے۔ اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔''

اسی طرح جنت میں بھی یہ لوگ اپنے رب کا دیدار کریں گے۔ جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: کہ اہل جنت اپنی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے، کہ ناگہاں ان پر ایک نور چھا جائے گا۔ وہ اپنے سروں کو اوپر اٹھائیں گے تو کیا دیکھیں گے کہ اللہ ان پر تجلی فرمائے ہوئے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اے اہل جنت! تم پر سلام ہو۔''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اور وہ اللہ کا فرمان یہ ہے:

﴿ سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيمٍ ﴾ (يٰسين : ٥٨)

''مہربان پروردگار کی طرف سے سلام کہا گیا ہے۔''

پھر اللہ تعالیٰ جنتیوں کی طرف دیکھیں گے اور اہل بہشت اللہ کی طرف دیکھیں گے اور اس جنت کی نعمتوں میں سے کسی کی طرف بھی توجہ نہ کریں گے، جب تک وہ اپنے مالک کا دیدار کرتے رہیں گے۔حتیٰ کہ وہ ان سے پردے میں ہوجائے گا اور اللہ کا نور باقی رہے گا۔'' (مسند احمد)

اسی طرح صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آگاہ کیا کہ:

''جس طرح چودھویں کا چاند دیکھنے میں تمہیں کوئی دقت نہیں ہوتی، اسی طرح تم اللہ کا دیدار کروگے، اور کوئی دقت پیش نہ آئے گی۔''

اے اللہ! قیامت کے دن جنت میں اپنا دیدار نصیب فرمانا۔ہم دنیا میں تیرا دیدار کرنے کی کوشش سے تیری پناہ مانگتے ہیں کہ جو بالآخر ''وحدۃ الوجود'' کے گٹر میں جا پھینکتی ہے۔

❀❀❀